یوسفِ ہندی قیدِ فرنگ میں

حالات قیدِ غالب

از

محسن بن شبیر

یوسفِ ہندی قیدِ فرنگ میں

یعنی

نواب نجم الدولہ دبیر الملک مرزا اسد اللہ خاں نظام جنگ بہادر

غالب

کے

واقعۂ قید کے حالات

از

محسن بن شبّیر

جامعۂ عثمانیہ حیدر آباد دکن

مطبوعۂ دکن لا رپورٹ مشین پریس چار باغ حیدر آباد

ربیع الثانی [illegible]ھ

فہرست مضامین

یوسفِ ہندی قیدِ فرنگ میں

دیباچہ

قاعدے کی بات ہے کہ انسان کو جس شخص سے محبت ہوتی ہے وہ اُس کے ہر واقعۂ رنج و راحت کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہے۔ میں ایک روز "یادگار غالب"[1] دیکھ رہا تھا جسوقت غالب کی قید کا واقعہ پڑھا میرے دل پر ایک خاص اثر ہوا مگر اختصار کی وجہ سے کچھ سیری نہ ہوئی۔ دل جویائے وضاحت ہوا۔ اسکے بعد اور بھی تذکرے دیکھے کسی سے کچھ مطلب نہ نکلا۔ بعضوں نے تو اس واقعہ کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔ بعض نے یونہی ایک آدھ مبہم جملہ لکھدیا ہے۔ آخر

[1] ۔ مولوی الطاف حسین حالی کی مولفہ سوانح عمری غالب۔

میں نے غالب کے کلام پر گہری نظر ڈالی۔ درایت کے اصول پر نتیجے اخذ کیے۔ سابقہ تذکرہ نویسوں کے بیان کی تنقید کی اور واقعہ قید کا تجزیہ کر کے اُسکو ایک نئی شکل میں مرتب کر دیا۔ اگرچہ میرے اِس مضمون کا ایک حد تک ماخذ یادگار غالب ہی ہی۔ مگر بعض امور میں اس سے اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ اِس مضمون کی ترتیب میں مجھے غالب کے اصلی فارسی رقعوں سے جو "پنج آہنگ" میں شایع ہوئے ہیں اُنکے علاوہ اُس فارسی رُقعے سے جسکا ترجمہ یادگار غالب میں درج ہی اور غالب کی اُس ترکیب بند سے جو انھوں نے حالتِ قید میں لکھا تھا بہت مدد ملی۔ یہ ترکیب بند غالب کے فارسی کلیات میں نہیں ہی۔ غالب کی عزیزوں اور دوستوں نے اُسے شایع نہیں ہونے دیا تھا البتہ غالب نے وفات سے کسیقدر قبل اپنی جدید فارسی نظموں کا ایک مجموعہ "سبد چین"[1] کے نام سے

---

[1] سبد کے معنی ٹوکری کے ہیں۔ "سبد چین" چین کی ٹوکری۔ آزاد کہتے ہیں اس میں دو تین قصیدے۔ چند قطعے۔ چند خطوط فارسی کے ہیں کہ دیوان میں درج ہونے سے رہ گئے تھے۔ (آبحیات)۔

شایع کرایا تھا۔ اس میں یہ نظم بھی شریک کی تھی مگر "سبد چین"
بہت کم لوگوں کی نظروں سے گزری۔ مولانا حالی نے اس
ترکیب بند سے چیدہ چیدہ اشعار یادگار غالب میں نقل کیے ہیں۔
سبد چین آجکل نایاب ہے۔ باوجود کافی کوشش کے مجھے کہیں سے
نہ مل سکی ورنہ اُمید تھی کہ اسکے باقیماندہ اشعار سے میرے مفید مطلب
کچھ اور باتیں ہاتھ لگ جاتیں۔ میں نے اس مضمون میں یہ التزام
بھی کیا ہے کہ موقع بہ موقع فارسی اشعار کا مطلب خیز ترجمہ پیش

لہ شمس العلماء مولوی الطاف حسین حالی ۱۸۳۷ء میں بمقام پانی پت پیدا ہوئے تھے۔
جوانی میں نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ رئیس جہانگیر آباد کے لڑکوں کی تعلیم انکے سپرد ہوئی
اُس زمانے میں جو کچھ لکھا ذوالصاحب موصوف کو دکھایا۔ بعد میں غالب کے حلقۂ تلمیذ میں
داخل ہوئے۔ دہلی کالج میں بھی مدرس رہے حیدرآباد سے بھی تنخواہ ملتی تھی۔ ہندوستان میں
نیچرل شاعری کا رواج دینے والے ہیں۔ قومی مرثیخوان کی حیثیت سے انکی بڑی شہرت ہوئی
قومی نظموں میں انکا مسدس بیمثل ہے۔ نثر میں بھی حالی خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ یادگار غالب
یعنی غالب کی سوانح عمری۔ حیات جاوید یعنی سر سید احمد خاں مرحوم کی لائف اور حیات سعدی
اُردو میں سوانح نگاری کا بہترین نمونہ ہیں۔ حالی کی وفات ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔

ہو جائے تاکہ ہر شخص کو اس کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ امید ہے کہ بہ حیثیت مجموعی یہ مضمون معتقدین غالب کیلیے موجب دلچسپی ہوگا۔ بدرجۂ آخر اس خیال سے میں اپنی محنت کو رائیگاں نہیں سمجھتا کہ اسنے میری پیاس تو کسیقدر بجھا دی۔

جسوقت میں نے غالب کے قید کیے واقعہ کو ایک مضمون کی شکل میں مرتب کرنیکا ارادہ کیا تھا مجھے خیال آیا تھا کہ اس مضمون کا نام "**یوسف ہندی قید فرنگ میں**" رکھنا چاہیے۔ اردو فارسی میں یعقوب و یوسف اپنے اصلی معنوں کے علاوہ مجازی معنوں میں بھی بکثرت استعمال ہوتے ہیں اور یعقوب سے پدر بزرگ۔ مرد پیر۔ فرقت زدہ وغیرہ مراد لیجاتی ہے اور یوسف سے گمشدہ۔ عزیز و محترم وغیرہ مثلاً سنائی غزنوی فرماتا ہے۔

یوسفِ مصری نشستہ با تو اندر انجمن
زشت باشد چشم را بر نقش آذر داشتن

یا جیسے سعدی کا یہ شعر ہے۔

چو گربہ نوازی کبوتر برد ؎ چو فربہ کنی گرگ یوسف درد

اس سے بھی زیادہ واضح مثال میرے والد بزرگوار کے حسب ذیل اشعار ہیں جو خطیب[1] امجد حسین مرحوم کے مرثیے میں تحریر کیے گئے ہیں۔

نہیں سنتا صدا ئے آہ یعقوب | خدا معلوم یوسف اب کہاں ہے
خبر اس ماہ گم گشتہ کی پوچھو | عزیزو۔ آیا مصری کارواں ہے
ضعیفی پر الٰہی اپنی رحمت | دلِ یعقوب اب بس ناتواں ہے

ہجوم یاس میں جانِ حزیں ہے
ملے کھو کر یہ وہ یوسف نہیں ہے

یا ابنہمہ غالب و یوسف میں کوئی مناسبت نہ ہونیکی وجہ سے

---

[1] نواب سر امین جنگ بہادر صدر المہام پیشی خداوندی کے فرزند اکبر خطیب امجد حسین مرحوم بغرض تعلیم انگلستان گئے تھے۔ ۱۳۲۳ھ میں مرحوم نے چند روز کی علالت کے بعد حالت غربت وبیکسی میں بمقام لندن وفات پائی اور وہیں سپرد خاک کیے گئے۔ وہ حضرت قبلہ گاہی مولوی علی شبیر صاحب صدر منتظم ہائیکورٹ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ یہ مرثیہ اولاً انشائے شبیر کے نام سے شائع ہوا تھا۔ پھر مجموعہ نظم شبیر میں بھی طبع ہوا

دل میں ایک کھٹک سی تھی اور اعتراض کا اندیشہ تھا کہ اتنے میں میری نظر غالب کے ترکیب بند اسیری کے اس شعر پر پڑی۔

چرخ یک مرد گراں مایہ بہ زنداں خواہد
یوسف از قیدِ زلیخا بدر آمد گوئی

میں نے اس شعر کو غالب کی پاک روح کیطرف سے اجازت تصور کر کے اس مضمون کو اپنے تجویز کردہ نام سے موسوم کر دیا۔
میں مخدومِ محترم۔ اُستادِ مکرم۔ ملاذِ شفیق ابو الحسنات مولنا ڈاکٹر سید غلام محی الدین صاحب قبلہ زور ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ پروفیسر جامعۂ عثمانیہ کا شکر گزار ہوں جنکی ترغیب و تشویق سے یہ مضمون لکھا گیا اور جنھوں نے بعض ایسی کتب مجھے عنایت فرمائیں جن سے اس تالیف میں بہت مدد ملی۔ فقط

احقر
محسن بن شبیر
متعلم بی۔ اے
جامعۂ عثمانیہ (حیدر آباد دکن)

یوسف ہندی قیدِ فرنگ میں

چرخ یک مردِ گرانمایہ بزنداں خواہد
یوسف از قیدِ زلیخا بدر آمد گوئی

غالب کی قید کا واقعہ اور تذکرہ نویس

سوانح نگاروں اور تذکرہ نویسوں کی عادت ہے کہ جن لوگوں کے حالات وہ لکھتے ہیں اُن کی خوبیوں کا ذکر آب و تاب سے کرتے ہیں مگر اُن کی بُرائیوں کو نظر انداز کر جاتے ہیں۔ وہ عوام الناس سے اُن کا تعارف ایک انسان کی حیثیت سے نہیں کراتے بلکہ وہ اُن کو معصومیت کا مجسّمہ اور نور کا پیکر بنا کر سامنے لاتے ہیں۔ مذہباً و اخلاقاً یہ بات اچھی ہے کہ کسی کے عیبوں پر نظر نہ ڈالی جائے۔ مگر جس

تصویر کا ایک ہی رُخ دکھایا جائے یا جو تصویر اصلی خط و خال سے مُعرا ہو وہ صحیح تصویر نہیں سمجھی جا سکتی اور اُس سی سوانح نگاری کا اصل مقصد پورا نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں ہے کہ دُنیا میں ایسے لوگ بہت ہیں جنکی نظر بُرائیوں پر زیادہ پڑتی ہے۔ اور نیکی کا ذکر نہ کر کے عیب کو آلۂ طعن و تشنیع قرار دیتے ہیں۔ لیکن بزرگوں اور پاک اصحاب کا مطعون کرنا خود طعنہ دینے والوں کو ذلیل کر دیتا ہے۔ مولٰنا روم فرماتے ہیں۔

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد[1]

صاحبانِ بصیرت ہر اچھے بُرے واقعہ سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں اور مسرّت آمیز واقعات سے بڑھکر اُن کو افسوسناک واقعات سے سبق حاصل ہوتا ہی۔

---

[1] ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب خدا کسی کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو اُسکی طبیعت کو پاک لوگوں کی طعنہ زنی کیطرف مائل کر دیتا ہے۔

سعدی کا دمشق کی سڑکوں پر ننگے پاؤں پھرنا[۱] - اسکندریہ میں فاقے کرنا[۲] - حلب میں قیدیوں کے ساتھ مٹی کھودنا[۳] - اسکی عزت کو

[۱] - اس واقعہ کا ذکر سعدی نے گلستاں کے تیسرے باب کی حکایت میں کیا ہے جس کا ترجمہ و خلاصہ یہ ہے کہ :- میں نے کبھی زمانے کی شکایت نہیں کی اور مصیبت سے کبھی نہیں گھبرایا مگر ایک دفعہ جبکہ میں ننگے پاؤں تھا اور جوتا پہننے کا مجھے مقدور بھی نہ تھا۔ اسی حالت میں نہایت غمگین میں کوفے کی جامع مسجد میں پہونچا۔ یہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے پاؤں ہی نہ تھے میں نے خدا کا شکر کیا اور جوتے کا خیال دل سے جاتا رہا۔

[۲] - یہ حکایت بھی گلستان کے تیسرے باب میں ہے ۔ سعدی کہتے ہیں :- ایک سال اسکندریہ میں ایسا زبردست قحط پڑا کہ درویشوں کو (جن میں آپ بھی شریک ہیں) صبر کی طاقت نہ رہی ۔ اس زمانے میں وہاں ایک مالدار مخنث غریبوں کو روپیہ پیسے دے رہا تھا اور مسافروں کو کھانا کھلا رہا تھا۔ درویشوں کے ایک گروہ نے جو فاقوں سے جاں بلب ہو گیا تھا اسکی دعوت میں جانیکا ارادہ کیا اور مجھسے اسبارہ میں مشورہ کیا میں نے صاف انکار کر دیا۔

[۳] - گلستاں کے باب دوم کی ایک حکایت کیطرف اشارہ ہے ۔ سعدی فرماتے ہیں :- ایک مرتبہ دمشق کے دوستوں سے ناراض ہو کر میں بیت المقدس کے ریگستان کی

گھٹا نہ سکا۔ میر تقی میر کی مفلسی اور انکا ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ مکان میں رہنا ۵

(بقیہ حاشیہ صفحہ ما قبل) طرف چلا گیا اور وہیں رہنے لگا۔ یہاں فرنگیوں نے مجھے قید کر کے طرابلس میں یہودیوں کیساتھ خندق کھود کر مٹی ڈہونے کے کام پر لگا دیا۔ اتفاقاً حلب کا ایک رئیس جس سے میری پہلے سے ملاقات تھی ادہر سے گزرا۔ میری حالت دیکھکر اُسکو رحم آیا اور دس دینار اُسنے ادا کر کے مجھے قید فرنگ سے رہا کرایا۔" سعدی کے سنہ ولادت و وفات سے جو بالترتیب ۵۸۹ھ ہجری و ۶۹۱ھ ہجری خیال کیے جاتے ہیں اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ سعدی کسی صلیبی جنگ میں گرفتار نہیں ہوئے تھے۔ ۵۸۵ھ ہجری میں بیت المقدس کی فرنگی سلطنت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ خاص بیت المقدس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا اور اس کے کسی ریگستان پر فرنگی قابض ہوں جنہوں نے سعدی کو پکڑ لیا ہو۔

۵۔ میر محمد تقی میر اردو کے زبردست شاعر ہیں۔ تمام مشہور اساتذہ نے ان کی اُستادی کا لوہا مانا ہے باینہمہ فضیلت وہ زمانے کی گردش کا ہمیشہ شکار بنے رہے فرماتے ہیں:- زمانے نے رکھا مجھے متصل

پراگندہ روزی پراگندہ دل

جہاں گئے پریشان گئے۔ جہاں رہے پریشان رہے۔ فرماتے ہیں:- (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

اُن کو لوگوں کی نظروں سے گِرا نہ سکا۔ غالب کے واقعۂ قید سے بھی اُن کے فضل و کمال کو کوئی نقصان نہیں پہونچا۔ عموماً کسی کی عیب پوشی اِسلیئے کی جاتی ہے کہ اُسکی عزت کو بٹہ نہ لگے۔ میں کہتا ہوں کہ کوئی آفت ارضی و سماوی۔ لغزش ذاتی یا انسانی کمزوری صاحبانِ کمال کی کسرِ شان کا باعث نہیں ہوسکتی اور

(تکملہ حاشیہ صفحہ ماقبل) دلی میں بے دلانہ پھرایا مرے تئیں
کاما سے تلخ کام اُٹھایا مرے تئیں

اپنے رنج و غم کی تصویر اُنھوں نے ایک مخمس میں اسطرح کھینچی ہے:-

حالت تو یہ کہ مجھکو غموں سے نہیں فراغ | دل آتشِ دِرونی سے جلتا ہی جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہی سارا جگر ہے داغ | ہر نام مجلسوں میں مرا میرِ بددماغ

ازبسکہ بے دماغی نے پایا ہی اشتہار

میر صاحب نے ایک مثنوی اپنے بوسیدہ و شکستہ مکان کی شان میں بھی لکھی ہی۔ نمونتہً اس کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ایک چھپر ہے شہرِ دلی کا
جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا

اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم و ہنر و فضل و کمال ہی وہ جوہر ہیں جن کی وجہ سے ذِلّت۔ عزت میں اور بدنامی نیکنامی سے مبدل ہو جاتی ہے۔ سچ ہے

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

زمانہ جبکہ غالب قید ہوئے

غالب کی قید کا واقعہ ۱۲۶۴ھ ہجری میں پیش آیا تھا۔ اُس وقت اِن کی عُمر تخمیناً (۵۲) سال تھی۔ یہ زمانہ شاہانِ دہلی کے نشۂ حکومت کا آخری خُمار اور اہلِ دہلی کی بزمِ عشرت کا دورِ آخری تھا۔ تاجدارِ دہلی ابوظفر محمد سراج الدین بہادر شاہ ظفر بظاہر اپنے اجداد کے تخت پر متمکن تھے مگر شاہِ شطرنج کی حیثیت تھی۔ انگریزوں سے ایک لاکھ روپیہ ماہانہ وظیفہ اِن کو ملتا تھا۔ صرف قلعے میں برائے نام اِن کی کچھ حکومت تھی۔ باقی دہلی میں انگریزی راج اور انگریزی دَور دَورہ تھا۔ دہلی کی خاک میں

خوشدلی و خوش مزاجی کا جزو اعظم شریک ہے اسی وجہ سے امیر خسرو نے اسکو جنت کہا ہے۔

حضرت دہلی کنفِ عدل و داد
جنتِ عدن ست کہ آباد باد[۱]

دِلّی والے ہمیشہ سے بڑے بیفکر اور زندہ دِل ہوتے آئے ہیں۔ اِس زمانے میں تو اِن کی عشرت پسندی کی کوئی انتہا نہ رہی تھی۔ خدا نے کھانے کو بھی دیا تھا اور اُڑانے کو بھی۔ شاہزادے تھے۔ رئیس زادے تھے۔ امیر اُمرا تھے۔ وظیفہ خوار۔ جاگیردار ہر طرح کا آدمی موجود تھا۔ روپیہ پیسہ۔ جائداد۔ املاک۔ غرض عیش کے سب سامان تھے۔ جن کے پاس کچھ نہ تھا وہ بھی گھر پھونک تماشہ دیکھنے والے اور لنگوٹی میں پھاگ کھیلنے والے تھے۔ اُنکی فاقہ مستی مشہور رہی ہے۔

دِلّی کی دِل والی مُنھ چکنا پیٹ خالی

گھر میں چاہے چوہے قلابازیاں کھائیں مگر جب باہر نکلیں گے

---

[۱] حضرت دہلی عدل وداد کا ٹھکانا ایک بہشت ہی۔ اللہ اسکو ہمیشہ آباد رکھے۔

تو کپڑے بھی تن زیب کے ہیں اور پٹوں میں چنبیلی بھی پڑا ہولہے چاندنی چوک کے چکر لگا رہے ہیں۔

قصہ مختصر آسودہ اور بیفکروں کے جو مشغلے ہوتے ہیں وہی اس زمانے میں دِلّی والوں کے بھی تھے[1]۔ مالدار اپنا وقت گزارنے کے لیئے اور پریشاں روزگار اپنی وحشت رفع کرنے کیلیئے شطرنج چوسر۔ کبوتر بازی۔ پتنگ بازی وغیرہ میں بسر کرتے تھے حتیٰ کہ

[1] ۱۸۵۷ء کے غدر نے اس بساطِ عیش کو اُلٹ دیا۔ دہلی کے عیش پسند جن کے قہقہوں سے گلی کوچے گونجتے تھے انکی گریہ وزاری کی آوازیں یہاں کے کھنڈروں سے بلند ہونے لگیں۔ مفتی صدرالدین خاں آزردہ نے اس حالت کا نقشہ اِن لفظوں میں کھینچا ہے۔

عیش وعشرت کے سوا جنکو نہ تھا کچھ بھی یاد ﴿ مل گئے خاک میں اور ہوگئے بالکل برباد

ٹکڑے ہوتا ہی جگر سُن کے یہ انکی فریاد ﴿ پھر بھی دیکھینگے الٰہی کبھی دہلی آباد

حال زار اپنا خدایا کسے دکھلائیں ہم

کاش ہو جائے زمیں شق تو سما جائیں ہم

علما، فضلا، ثقہ و شرفا کے بھی یہی مشاغل تھے اور ان کو عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مرزا غالب جن کا لڑکپن اور جوانی آسودگی میں گزری تھی[1] اور اسی آب و ہوا میں جنکی نشو نما ہوئی تھی نا ممکن تھا کہ گرد و پیش کے اثرات سے محفوظ رہتے۔ وہ اپنی فیاضی اور فراخ حوصلگی کی وجہ سے ہمیشہ خالی ہاتھ بلکہ مقروض رہا کرتے تھے اُنکی تہائی تنخواہ کا تشکیدار ساہوکار ہوگیا تھا۔ رفع افکار کے لیئے ان کو بھی تفریح طبع کا کچھ سامان کرنا ضرور تھا۔ دو حرفی کا استعمال بھی وہ غالباً غم غلط کرنیکے لیئے کیا کرتے تھے جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں۔

مے سے غرض نشاط ہے کس روسیاہ کو
اِک گونہ بیخودی مجھے دِن رات چاہیئے

کیا عجب ہے کہ اُن کا شطرنج اور چوسر کھیلنا بھی دوا ہی ہو۔

---

[1] ۔ غالب نے اپنے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی تھی۔ جنکو سرکار انگریزی سے سترہ سو روپیہ ماہوار ملتی تھی اور ایک لاکھ روپیہ سال کی جاگیر ضلع آگرہ میں تھی۔ اِن کی جائداد و املاک بھی آگرہ میں بہت کچھ تھی۔ جس سے غالب خاطرخواہ فائدہ اُٹھاتے تھے۔

مگر افسوس ہے کہ زمانہ کی ناسا عدت سے اُن کی دلچسپی کی چیز (چوسر) اُن کے لیے سوہان روح و عذابِ جان ہو گئی۔

الزام و اسبابِ قید

تذکرہ نویسوں نے عموماً اِس بارہ میں کوتاہ قلمی کی ہی کہ غالب کے قید ہونے کے کیا اسباب تھے؟ اور اِن کا الزام منسوبہ کیا تھا؟ خود غالب نے اپنے ایک فارسی رُقعے میں جس کا اردو ترجمہ حالی نے یادگارِ غالب میں تحریر کیا ہے اپنی قید کی اصل وجہ "کوتوال دہلی کی دشمنی" بتائی ہی۔ فرماتے ہیں:۔

"کوتوال دشمن تھا اور مجسٹریٹ نا واقف۔ فتنہ گھات میں تھا اور ستارہ گردش میں۔ باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا۔"

(یادگارِ غالب صفحہ ۲۷)

تذکرہ شعرائے اُردو مؤلفہ منشی کریم الدین جو تقریباً اسی سال

لکھا گیا تھا جو غالب کی قید کا سال ہے اُس میں اِس واقعہ کی نسبت
صرف اِسقدر لکھا ہے:-

"اِن ایام میں یعنی درمیان ۱۸۴۷ء کے ایک حادثہ اِنپر جانب
سرکار سے بڑا پڑا جس کے سبب اِن کو بہت رنج لاحق حاصل
ہوا۔ عمر اِن کی اُس سال قریب ساٹھ کے ہوگی"

(تاریخ شعرائے اُردو مولفہ مسٹر فیلن و منشی کریم الدین مطبوعہ
مطبع العلوم مدرسہ دہلی ۱۸۴۸ء صفحہ ۳۷۸ طبع چہارم)

آزاد نے آبحیات میں سبب قید ظاہر نہ کرکے صرف یہہ
تحریر فرمایا ہے:-

"حضرت یوسف کی طرح مرزا صاحب کو بھی چند روز قید خانے
میں رہنا پڑا"

مرزا حیرت دہلوی نے "چراغ دہلی" میں سبب قید ظاہر
کیا ہے اور لکھا ہے کہ:-

"ایک مرتبہ مرزا صاحب قمار بازی کی علت میں گرفتار ہوئے تھے"

(چراغ دہلی تالیف ۱۹۰۳ء ص ۳۲)

حالی الزام منسوبہ و قید کی نسبت یہ لکھتے ہیں:۔

"مرزا کو شطرنج اور چوسر کھیلنے کی بہت عادت تھی اور چوسر جب

کھیلتے تھے تو برائے نام کچھ بازی بھی بد کر کھیلا کرتے تھے اسی

چوسر کی بدولت مرزا پر ایک سخت ناگوار واقعہ پیش آیا۔"

(یادگار غالب)

اُمور مندرجۂ بالا سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک دِن جبکہ

غالب بازی بد کر چوسر کھیل رہے تھے دہلی کے پولیس انسپکٹر

نے جس کو اِن کے ساتھ مخالفت تھی اِن کو تحت قانون قماربازی

گرفتار کر کے چالان عدالت کر دیا۔ ثبوت جرم کیلئے شہادت

کی ضرورت ہوتی ہے اِسلیئے قیاس ہوتا ہے کہ دِلّی والوں نے

اِن کے خلاف گواہیاں دیں۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غالب

جیسے آزادہ رو صلح کل مشرب[۱] کے مقابلے میں کس نے

---

[۱] یہاں غالب کے اس شعر کی طرف اشارہ ہے۔

آزادہ رو ہوں اور مرا مسلک ہے صلح کل

ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

گواہی دی ہوگی۔ مگر اِن کے ایک فارسی رقعے سے جو شیخ امام بخش ناسخ[1] کے نام ہے ظاہر ہوتا ہے کہ دہلی میں بہت سے لوگ اِنکے دشمن ہوگئے تھے۔ دہلی کے رزیڈنٹ کو جو غالب کا بڑا مربی و سرپرست تھا رات کے تفنگچہ سے ہلاک کر دیا تھا۔ قتل کا شبہ نواب شمس الدین خاں[2] کیطرف ہوا چنانچہ اُن کو گرفتار کر کے پھانسی دیگئی اور ریاست ضبط کی گئی۔ غالب کو بھی ریاست فیروزپور سے سات سو پچاس روپیے سالانہ گورنمنٹ انگریزی نے مقرر کیئے تھے۔

---

[1] شیخ امام بخش ناسخ لکھنؤ کے مشہور اُستادوں میں ہیں۔ غالب نے اپنے ایک خط میں جو مرزا حاتم علی مہر کے نام ہے ناسخ کی نسبت یہ ریمارک کیا ہے "شیخ امام بخش ناسخ جو تمہارے اُستاد تھے میرے بھی دوست صادق الوداد تھے۔ وہ اگلی طرز کے ناسخ اور نئی روش کے موجد ہیں"۔ ناسخ بھی ۱۲۴۳ھ ہجری میں بقول آزاد حریفوں کی عداوت کی وجہ سے نظر بند کر دیئے گئے تھے جس کی تاریخ ناسخ نے یہ لکھی۔

ہے ہے خانۂ زنداں گردید

اور شمس الدین خاں سے غالب کی باوجود عزیز داری ہونیکے ناچاقی تھی[1]۔ ان دنوں غالب عدالت دیوانی کی ڈگری کیوجہ سے

---

[1] غالب کے چچا نصراللہ بیگ خاں کو سرکار انگریزی نے ضلع آگرہ میں ایک لاکھ روپیہ سال کی جاگیر دی تھی جو اُن کے انتقال کے بعد واپس لے لی اور اُس کے معاوضہ میں اُن کے ورثا کو ریاست فیروزپور جھرکہ سے دس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کر دیئے۔ فیروزپور ضلع گڑگاؤں کا ایک علاقہ تھا جو انگریزوں نے نواب فخرالدولہ احمد بخش خاں کو دیا تھا۔ نوابصاحب موصوف اگرچہ غالب کے چچا کے سسر تھے مگر غالب و شرکائے غالب کو کبھی اُنھوں نے مقررہ رقم نہ دی ہمیشہ قلت آمدنی وغیرہ کا عذر کرتے رہے۔ دس ہزار کے بجائے صرف تین ہزار دیا کرتے تھے جس میں سے خاص غالب کا حصہ ساڑھے سات سو روپیہ سال تھا۔ غالب اس سے ناخوش تھے اور اسی کا تصفیہ کرانے کے لیئے وہ کلکتہ تک گئے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ نواب احمد بخش خاں کے بعد اُن کے بڑے فرزند شمس الدین خاں ریاست کے مالک ہوئے مگر وہ بھی ہمیشہ غالب کو اُن کی رقم گزارہ کے بارے میں تنگ ہی کرتے رہے۔ یہی وجہ غالب اور شمس الدین خاں کے درمیان مخالفت کی تھی۔ شمس الدین خاں رشتہ میں غالب کے سالے ہوتے تھے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ مابعد)

(جس کا ذکر ایک اور موقعہ پر آگے کیا جائیگا) دِن کے وقت گھر سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے اور صرف رات کے وقت مجسٹریٹ شہر کے پاس جو اِن کا بڑا دوستِ[۱] تھا جایا آیا کرتے تھے۔ وہاں مسٹر فریزر کے قتل کی نسبت بھی گفتگو ہوا کرتی تھی۔ دِلّی والوں کو اِنپر شُبہ ہوا کہ اِنھوں نے مجسٹریٹ سے لگائی بجھائی کر کے شمس الدینخاں کو گرفتار کرایا۔

(پنج آہنگ مطبوعۂ انوار الاسلام پریس حیدرآباد دکن صفحہ ۵۹ و ۶۰)۔

(تکملہ حاشیہ صفحہ ماقبل) نواب احمد بخش کے بڑے بھائی نواب الٰہی بخش خاں معروف کی صاحبزادی غالب کی بیوی تھیں۔ نواب احمد بخش خاں کے دوسرے فرزند امین الدین خاں کو ریاست لوہارو عطا ہوئی تھی جو تا حال اُن کے جانشینوں کے قبضے میں ہے مگر دہلی کے رزیڈنٹ فریزر صاحب کے قتل کے بعد فیروز پور جھرکہ ضبط کر لیگئی۔ اِسکے بعد غالب کی تنخواہ دہلی کے کلکٹر کے دفتر سے ایصال ہونے لگی۔ بادی النظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ غالب کی یہ تنخواہ اُنکی بیوی کے میکے کی طرف سے ملتی ہوگی مگر یہ بات نہیں ہے۔ یہ تنخواہ غالب کے چچا کی جاگیر کا معاوضہ تھی

[۱] یہ مجسٹریٹ کوئی اور تھا۔ اور جسنے غالب کو سزا دی تھی وہ کوئی دوسرا تھا اور [illegible] تھا۔

پس کیا عجب ہے کہ غالب کے مقدمے میں طرفداران شمس الدین خاں نے گواہیاں دی ہوں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گواہیاں دینے والے یا مخبری کرنے والے کوئی اور لوگ ہوں۔ غالب کے ترکیب بند اسیری کے ایک شعر سے اس بات کا پتہ ضرور لگتا ہے کہ ان کے رازداروں نے بے وفائی کی اور ان کے چوسر کھیلنے کے راز کو طشت از بام کیا۔ وہ شعر یہ ہے۔

ہلہ[1] دزدان گرفتار۔ وفانیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم وہمراز کنم

یعنی اے چوری کے الزام میں قید ہونے والو۔ اس شہر سے وفاداری عنقا ہو گئی۔ اب میں تم کو اپنا ہمدم و ہم راز بناتا ہوں۔ تم میں وفاداری اور رازداری کی صفت زیادہ موجود ہے۔

سُشرکائے جرم

اس بات کا پتہ نہیں چلتا کہ جن لوگوں کے ساتھ اُس

---

[1] ہلہ کلمہ تنبیہ ہے۔ چونکانے اور ہوشیار کرنیکے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وقت غالب چوسر کھیل رہے تھے وہ کون تھے؟ اور آیا وہ بھی گرفتار ہوئے یا نہیں۔ اور اُن کا کیا انجام ہوا۔ غالب کے واقعات زندگی سے اس امر کا کافی ثبوت ملتا ہے کہ اُن کے ہمنشین وجلیس اُمراء ورئوسا واعیان اور شعراء وعلما تھے۔ اُن کی خط کتابت بھی عموماً معززین سے رہا کرتی تھی۔

آزاد فرماتے ہیں:۔

"اُن کی دوست پرستی خوش مزاجی کے ساتھ رفیق ہوکر ہر وقت ایک دائرہ شرفا اور رئیس زادوں کا اِنکے گرد دکھاتی تھی۔ اِنہیں سے غم غلط ہوتا تھا اور اِنہیں سے زندگی تھی۔"

(آبحیات صفحہ ۵۲۵)

حالی کی بھی یہی رائے ہے۔

"باوجودیکہ مرزا کی آمدنی کم تھی مگر خودداری اور حفظ وضع کو وہ کبھی ہاتھ سے نہیں دیتے تھے۔ شہر کے امراء وعمائد سے برابر کی ملاقات تھی۔ کبھی بازار میں بغیر پالکی یا ہوادار[1] کے نہیں نکلتے تھے۔

---

[1] ایک قسم کی کھلی ہوئی پالکی۔

عمائد شہر سے جو لوگ ان کے مکان پر نہیں آتے تھے وہ بھی ان کے مکان پر نہیں جاتے تھے۔" (یادگار غالب صفحہ ۶۱)

حضرت غالب جب لکھنؤ گئے تو نواب روشن الدولہ نائب السلطنت کی ملاقات سے پہلے دو شرطیں ایسی پیش کیں جو منظور نہ ہوئیں۔ ایک یہ کہ نائب السلطنت انکی تعظیم دیں۔ اور دوسری یہ کہ نذر سے ان کو معاف رکھا جائے۔
(یادگار غالب صفحہ ۲۵)

غالب کو دربار میں کرسی کا ملنا اور خلعت عطا ہونا وغیرہ بعض باتیں ایسی تھیں جس کی وجہ سے ان کو ہمیشہ اپنے ذاتی و خاندانی اعزاز کا خیال رہتا تھا اور بقول آزاد" وہ خاندانی اعزاز کو جانکاہ عرق ریزیوں کے ساتھ بچاتے رہے اور بزرگوں کے نام کو قائم رکھا"

۱۸۴۲ء میں جب گورنمنٹ انگلشیہ کالج دہلی کا انتظام از سرِ نو منظور ہوا تو ٹامسن صاحب جو ممالک متحدہ میں لفٹنٹ گورنر بھی رہ چکے تھے اس کالج کے سکرٹری مقرر ہوئے اور

مدرسین کے امتحان و انتخاب کیلئے دہلی آئے۔ غالب بھی اسی ضمن میں ملازمت کی غرض سے سکرٹری صاحب سے ملنے گئے اور اطلاع کرنیکے بعد پالکی میں انتظار کرتے رہے کہ حسب معمول سکرٹری صاحب استقبال کیلئے آئینگے تو جاؤنگا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو سکرٹری صاحب نے اپنی جمعدار کو دیکھنے کیلئے بھیجا کیفیت معلوم ہونے پر سکرٹری صاحب نے کہا کہ آپ چونکہ ملازمت کے خیال سے آئے ہیں اسلئے استقبال نہیں کیا جا سکتا ہم قاعدے سے مجبور ہیں غالب نے جواب دیا کہ گورنمنٹ کی ملازمت باعث زیادتی اعزاز سمجھتا ہوں نہ کہ بزرگوں کے اعزاز کو بھی گنوا بیٹھوں۔" (آبحیات و یادگار غالب)

رقعات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں سے وہ اپنے تئیں ممتاز رکھنا چاہتے تھے حتیٰ کہ ادنیٰ طبقے کے لوگوں کی وضع سے بھی انکو سخت نفرت تھی۔ ایک رقعے میں جو مرزا حاتم علی مہر کے نام اُنھوں نے لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

اس بھونڈی شہر میں ایک دُنی ہے۔ مُلا۔ حافظ۔ بساطی۔ نیچہ بند۔ دھوبی۔ سقہ۔ بھٹیارا۔ جولاہا۔ کنجڑا۔ منہ پر داڑھی سر پر بال۔ میں نے جس دن داڑھی رکھی اُسی دن سر منڈایا۔ (عود ہندی)

واقعات مندرجہ بالا سے ثابت ہے کہ غالب کے ہمنشین اعلیٰ طبقے ہی کے لوگ ہونگے۔ غالب کی خودداری و وضعداری کے

اعتبار سے ناممکن ہے کہ وہ کسی ادنےٰ طبقے کے لوگوں کیساتھ
ایسے بے تکلف ہوں کہ اُن سے بازی بدکر چوسر کھیلیں پس
بازی میں ان کے مدِ مقابل یقیناً اُمرا و رؤسا یا صاحبانِ علم و فضل
تھے۔ میرے اِس خیال کی تائید اِس سے ہوتی ہے کہ غالب کے
واقعۂ قید کا ذِکر تو دبی زبان سے کیا بھی گیا مگر اِن کے شرکائے
جُرم کا نام تک نہیں لیا گیا۔ پس کیا عجب ہے کہ وہ لوگ
وجاہت ظاہری یا کسی اور اعتبار سے غالب بھی زیادہ سر آوردہ
ہوں۔ نوعیت جُرم کے لحاظ سے یہ بھی قیاس ہوتا ہے کہ اِنکے
حریفانِ مقابل کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا گیا ہوگا جو اِنکے
ساتھ ہوا مگر اِس پر ابھی تک پردہ پڑا ہوا ہے۔

مُقدمہ و سزا

غالب کے ایک فارسی رقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ
مقدمہ اوّلاً ابتدائی عدالت میں کسی مجسٹریٹ کے اِجلاس پر

پیش ہوا تھا مگر وہ اِن سے ناواقف تھا اور غضب یہ کہ کوتوال[1] کے دباؤ میں بھی آگیا تھا اِس وجہ سے اُس نے چھ ماہ کی قید کا حکم صادر کیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"باوجودیکہ مجسٹریٹ کوتوال کا حاکم ہے۔ میرے باب میں وہ کوتوال کا محکوم بن گیا اور میری قید کا حکم صادر کر دیا۔" (یادگار غالب صفحہ ۲۷)

یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اِس مجسٹریٹ کی تجویز کی ناراضی سے عدالت سشن میں مرافعہ پیش کیا گیا تھا یا نہیں مگر سشن جج نے بھی بصیغۂ اپیل یا کسی اور طرح دخل دیکر تجویز سزا منسوخ نہ کی۔ یہ سشن جج غالب کا دوست تھا جیسا کہ وہ فرماتے ہیں۔

"سشن جج باوجودیکہ میرا دوست تھا اور ہمیشہ مجھ سے دوستی اور مہربانی کے برتاؤ کرتا تھا اور اکثر صحبتوں میں بے تکلفانہ ملتا تھا۔ اُس نے بھی اغماض و تغافل اختیار کیا۔" (رقعہ فارسی)

آخر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کیا گیا مگر بقول غالب۔

"کسی نے نہ سُنا اور وہی حکم بحال رہا۔" (رقعہ فارسی)

---

[1] ہندوستان میں درجۂ اول کی پولیس انسپکٹر کو جو شہر کے بڑے تھانے پر متعین ہو کوتوال کہتے ہیں۔

پیروی مقدمہ و مصارف مقدمہ کے متعلق حالی تحریر فرماتے ہیں:۔

"نواب مصطفیٰ[1] خاں مرحوم نے اس زمانے میں مرزا کے ساتھ دوستی کا حق پورا پورا ادا کیا۔ اپیل میں جو کچھ صرف ہوا وہ اپنے پاس سے صرف کیا۔ (یادگارِ غالب صفحہ ۲۸)

---

[1] نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ۔ نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک مرتضیٰ خاں بہادر مظفر جنگ رئیس جہانگیرآباد کے فرزند تھے۔ سرکار انگریزی نے بعض مہمات کے صلہ میں ان کے والد کو کئی گاؤں جاگیر دیے تھے۔ شیفتہ اعلےٰ درجے کے سخن فہم و سخن سنج تھے۔ اُردو میں شیفتہ اور فارسی میں حسرتی تخلص کرتے تھے۔ اُردو کلام مومن خاں کو دکھاتے تھے۔ فارسی میں غالب سے مشورہ لیا کرتے تھے غالب بھی ان کی پسند کو نظم کی خوبی کی دلیل سمجھتے تھے۔ مولوی حالی جب تک نواب صاحب کے لڑکوں کے اتالیق رہے اپنا کلام نواب صاحب ہی کو دکھاتے رہے۔ آخر میں شیفتہ مذہبی و زاہدانہ زندگی گزارتے تھے۔ شیفتہ کی ولادت ۱۲۲۱ھ ہجری میں اور وفات ۱۲۸۶ھ ہجری میں ہوئی۔ شعرائے اُردو کا تذکرہ گلشن بیخار زبان فارسی دیوان اُردو و فارسی سفرنامہ حج اور بعض دوسری تالیفات ان کی یادگار ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ نواب مصطفیٰ خاں بڑے فیاض آدمی تھے۔ مقدمے کے مصارف اُنھوں نے اُٹھائے ہونگے۔ زمانہ اسیری میں جسطرح انھوں نے غالب کی خبر گیری کی اُس کا ثبوت غالب کے اشعار سے ملتا ہے اس کا ذکر میں نے آگے کیا ہے غالب جیسے نامور شخص کا قید ہونا کوئی معمولی بات نہ تھی اس سے یقیناً دہلی میں ہیجان پیدا ہوا جس کا اثر بعض حکام تک پہونچا اور خود مجسٹریٹ متاسف ہوئے بغیر نہ رہ سکا حتیٰ کہ اُس نے معافی قید کی رپورٹ صدر میں کی اور نصف مدت قید یعنی تین مہینے معاف ہو گئے۔ اس بارے میں خود غالب کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"پھر معلوم نہیں کیا باعث ہوا کہ جب آدھی میعاد گزر گئی تو مجسٹریٹ کو رحم آیا اور صدر میں رہائی کی رپورٹ کی اور وہاں سے حکم رہائی آ گیا اور حکام صدر نے ایسی رپورٹ بھیجنے پر اُسکی تعریف کی۔ سنا ہے کہ رحمدل حاکموں نے مجسٹریٹ کو بہت نفرین کی اور میری خاکساری و آزادہ روی سے اُسکو مطلع کیا۔ یہاں تک کہ اُس نے خود بخود میری رہائی کی رپورٹ بھیجدی۔" (فارسی رقعہ غالب مترجمہ حالی مشمولہ یادگار غالب صفحہ ۲۷)

غالب قید میں

غالب قدرتاً آزاد منش۔ آزاد طبع۔ آزاد خیال واقع ہوئے تھے۔ وہ اپنی زندگی کو بھی قیدِ حیات مجازاً نہیں بلکہ حقیقتاً حبس دوام سمجھتے تھے۔ اپنی شاہ خرچی کی وجہ سے وہ ہمیشہ قرضدار رہا کرتے تھے اور بعض اوقات جب قرضخواہوں کا ہجوم ہو جاتا تھا یا کسی عدالت دیوانی کی ڈگری کی وجہ سے جب وہ خانہ نشین ہو جاتے تھے اُسکو بھی وہ قید سخت سے کم نہیں خیال کرتے تھے۔ اِن سب پر طُرّہ قیدِ فرنگ تو اِن کے حق میں قیامت ہی تھی۔ قبل اس کے کہ قیدِ فرنگ کی تکلیف کا ذکر کیا جائے باقی دونوں قسم کی قیدوں میں جو جو جسمانی و رُوحانی تکلیف اِنپر گزری ہے اُسکی کیفیت اُنہیں کے الفاظ میں علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہے۔

(۱) قیدِ حیات

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
مرنے سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں   غالب

یوں تو غالب اپنی زندگی کو ہمیشہ ہی قید سے تعبیر کرتے رہے۔ لیکن علاء الدین خاں رئیس لوہارو کی موسومہ ایک خط میں انھوں نے جو فوٹو اس بیزاری کا کھینچا ہے ملاحظہ ہو۔

قاعدہ عام یہ ہے کہ عالم آب و گِل کے مجرم عالم اِرواح میں سزا پاتے ہیں۔ لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالم ارواح کے گنہگار کو دُنیا میں بھیجکر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ ۸ رجب ۱۲۱۲ھ[1] ہجری کو مجھ کو روبکاری[2] کے واسطے یہاں بھیجا۔ تیرہ برس حوالات میں رہا۔ ۷ رجب ۱۲۲۵ھ ہجری کو میرے واسطے حکم دوام حبس[3] صادر ہوا۔

---

[1] پیدا ہوئے۔ [2] روبکاری۔ مقدمہ کی پیشی۔
[3] حبسِ دوام شادی سے مراد ہے۔

ایک بیڑی[1] میرے پاؤں میں ڈالدی اور دلی شہر کو زندان مقرر کیا۔ اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔ نظم ونثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں کے بعد جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ مشرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اُسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے دو ہتکڑیاں[2] اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار۔ ہاتھ ہتکڑیوں سے زخمدار۔ مشقت مقرری اور مشکل ہو گئی۔ طاقت یک قلم زایل ہو گئی۔ بیحیا ہوں سال گزشتہ بیڑی کو زاویہ زندان میں چھوڑ مع دونوں ہتکڑیوں کے بھاگا۔ میرٹھ۔ مراد آباد ہوتا

---

[1] - بیڑی۔ بیوی۔ [2] - غالب کی بیوی کے بھانجے زین العابدین خاں عارف تھے جنھوں نے جوانی میں انتقال کیا تھا۔ غالب نے ان کا مرثیہ بھی لکھا ہے جسکا مطلع ہے۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور　　تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

عارف کے دو بچے باقر علیخاں و حسن علیخاں تھے اِنکو غالب نے عارف کے انتقال کے بعد اپنی سرپرستی میں لے لیا تھا اور اِن سے بیحد محبت کرتے تھے۔ ہر جگہ اپنے ساتھ لیے لیے پھرتے تھے۔ یہاں دو ہتکڑیوں سے یہی دونوں مراد ہیں۔

ہوا رامپور پہونچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں کیا بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکم رہائی دیکھیئے کب صادر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہ ذیحجہ ۱۲۷۷ہجری میں چھوٹ جاؤں[۱]۔ بہر تقدیر رہائی کے بعد آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعد نجات سیدھا عالم ارواح کو چلا جاؤنگا۔

---

[۱] مُراد مرجانا ہے۔ ۱۲۷۷ھ میں فکروں اور علالت وغیرہ کی وجہ سے غالب کو اپنے مرنے کا خیال ہو گیا تھا۔ چنانچہ ایک قطعہ بھی اپنی تاریخ وفات میں لکھا جس کے مادّہ سے ۱۲۷۷ہجری برآمد ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں:-

منکہ باشم کہ جاوداں باشم ॥ چوں نظیری نماند و طالب مُرد
گر بپرسند درکدامی سال ॥ مُرد غالب۔ بگو کہ غالب مُرد
(۱۲۷۷)

اسکے بعد بھی سال کے سال اپنی تاریخ وفات لکھا کرتے تھے مگر سب تیر خطا کر گئے۔ آخر ۱۲۸۵ھ ہجری میں وفات پائی۔ بہت سے لوگوں نے انکی تاریخ وفات لکھی مگر سب سے زیادہ مشہور یہ ہے۔ "آہ غالب بمرد"

فرخ آں روز کزیں خسانۂ زنداں بردم

سوئے شہر خود ازیں وادیِ ویراں بردم

(عودِ ہندی مطبوعۂ مطبع نولکشور صفحہ ۶۴ و ۶۵)

اِنکے رقعات سے اور اشعار وغیرہ سے بھی جا بجا پایا جاتا ہے کہ غالب تعلقات دُنیوی سے بہت گھبراتے تھے۔ ایک مرتبہ اِنکے کسی شاگرد نے اپنے خط میں امراؤ سنگھ نامی کسی دوسرے شاگرد کی بیوی کے مرنے کا حال لکھکر ان کو یہ لکھا تھا کہ ننھے ننھے بچے ہیں وہ شادی نہ کرے تو کیا کرے۔ اُس شخص کی ایک بیوی پہلے بھی مَر چکی تھی۔ اس خط کے جواب میں غالب تحریر فرماتے ہیں۔

امراؤ سنگھ کے واسطے اُس کے حال پر رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ۔ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو بار اُنکی بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے تو نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے۔ نہ دم ہی نکلتا ہے۔ اُس کو سمجھاؤ کہ بھائی تیرے

بچوں کو میں پال لوں گا تو کیوں بلا میں پھنستا ہے۔

(عود ہندی)

(۲) قید خانہ نشینی

غالب کا لڑکپن اور جوانی امیرانہ ساز و سامان سے گزرے تھے۔ فیاضی و شاہ خرچی ان کی طبیعت کا جز و تھی۔ وسط حیات میں اگرچہ آمدنی محدود رہ گئی تھی مگر خیالات وہی بلند اور حوصلہ اُسیطرح کشادہ تھا۔ اسیوجہ سے بقولِ آزاد "مرزا کے کھُلے ہوئے دِل اور کھُلے ہوئے ہاتھ نے ہمیشہ مرزا کو تنگ رکھا"۔ تاہم سخت سے سخت موقعوں پر بھی اُنھوں نے اپنی وضعداری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ حتیٰ کہ غدر میں جب اُنکی قلعے کی تنخواہ[۱] اور سرکار انگریزی کی پنشن[۲] سب بند ہو گئی اُسوقت بھی

---

[۱] تاریخ خاندان تیموری لکھنے کے معاوضہ میں انکو پچاس روپیہ مہینہ قلعے سے ملتا تھا۔ اس خدمت کا ذکر کسیقدر تفصیل سے ہم نے علیحدہ کیا ہے۔

[۲] سرکار انگریزی سے بہ معاوضہ جاگیر انکو باسٹھ روپیہ ماہوار ملتی تھی اسکی صراحت دیر ایک جگہ حاشیہ میں کیجا چکی ہے۔

انھوں نے اپنے ملازموں کو جواب نہ دیا۔ خود تکلیف اُٹھا لینا
اِن کے لیئے آسان تھا مگر سائل کو ٹال دینا مشکل۔ ایک مرتبہ
چوبدار بادشاہی خلعت لیکر آئے اور حسب قاعدہ طالب انعام
ہوئے۔ غالب نے مکان کے دوسرے دروازے سے
خلعت فروخت کرنے کیلیئے بازار بھیجدیا اور جب اُس کی
قیمت آئی چوبداروں کو انعام دیکر رخصت کیا۔

غالب کا خرچ ہمیشہ الٰہی[1] خرچ رہا جس کی تکمیل بغیر قرض
کے ناممکن تھی۔ ابتدائی زمانے میں اِن کی حالت ہمارے
حیدرآباد کے بعض امیرزادوں اور نوابوں کی سی تھی۔ جسکی
تصویر خود غالب نے اپنے اِس خط[2] میں کھینچی ہے۔

---

[1] الٰہی خرچ۔ زبردست خرچ۔ انشا فرماتے ہیں۔

یوں سمجھیو میاں واہی خرچ ❀ ہم فقیروں کے ہیں الٰہی خرچ

[2] یہ خط نواب علاءالدین کے نام ہے جسمیں انھوں نے اپنے والد نواب امین الدینخاں والی لوہارو کیطرف سے شراب نوشی ترک کردینے کا سبب غالب سے دریافت کیا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ کثرت اخراجات سے تنگ آکر غالب نے بعض ضروری اخراجات بند کردیئے تھے اور شراب پینا بھی چھوڑ دیا تھا۔

صاحب وہ زمانہ نہیں ہے کہ اِدھر متھرا داس سے قرض
لیا۔ اُدھر درباری مل کو جا مارا۔ اِدھر خوب چند چین سکھ
کی کوٹھی جا لُوٹی۔ ہر ایک کے پاس تمسک مُہری موجود۔
شہد لگاؤ اور چاٹو۔ نہ مُول۔ نہ سُود۔ اِس سے بڑھکر
یہ بات کہ روٹی کا خرچ بالکل پھوپی کے سر۔ باایں ہمہ
کبھی خان[۱] نے کچھ دیدیا۔ کبھی الور[۲] سے کچھ دِلوا دیا۔ کبھی ماں
نے کچھ آگرے سے بھیجدیا۔ اب میں اور باسٹھ روپیے کلکٹری[۳] کے۔

---

۱ ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ خان سے کون بزرگ مُراد ہیں۔ شاید اِنکے خسر نواب الٰہی بخش خاں مُراد ہوں۔

۲ ۔ غالب کے والد مرزا عبداللہ بیگ خاں ریاست الور واقع راجپوتانہ میں فوجی عہدہ دار تھے۔ ریاست کی کسی مہم میں مارے گئے۔ راجہ بختاور سنگھ والئی ریاست کبھی کبھی غالب اور اُنکی والدہ وغیرہ کیلئے کچھ روپیہ ریاست سے بھیجدیا کرتے تھے۔

۳ ۔ ریاست فیروزپور سے سات سو پچاس روپیہ سال غالب کو مِلا کرتے تھے۔ ریاست ضبط ہو جانے کے بعد بذریعۂ کلکٹری کچہری مِلنے لگے تھے جسکا حساب سے باسٹھ روپیہ مہینہ ہوا اسکی تفصیل اوپر ایک جگہ حاشیہ میں لکھا جاچکی ہے۔

سَو روپیہ رام پور[1] کے تنگ آ گیا۔ گزارہ مشکل ہو گیا۔

(عودِ ہندی)

قرض اور قرضخواہوں کے تقاضوں سے غالب کا دَم ناک میں رہتا تھا۔ اِس سے جو تکلیف اِن کو پہونچتی تھی اس کا تذکرہ غالب کے رقعوں میں جا بجا موجود ہے۔ لیکن ایک خط میں جو مرزا قربان علی بیگ سالک کے نام لکھا ہے اُس میں اپنی حالت کا لاجواب نقشہ کھینچا ہے۔ اِس خط کا خلاصہ یہ ہے۔

"یہاں خدا ہی سے توقع نہیں۔ مخلوق کا کیا ذِکر۔ اپنا آپ تماشائی بنگیا ہوں یعنی اپنے کو اپنا غیر تصور کر لیا ہے۔ جو دُکھ مجھے پہنچتا ہے کہتا ہوں کہ لو غالب کو ایک اور جوتی لگی۔ بہت اِتراتا تھا کہ میں بڑا شاعر اور فارسی داں ہوں۔ آج دُور دُور تک

---

[1] نواب یوسف علیخاں والئی رامپور نے جو غالب کے شاگرد بھی تھے سَو روپیہ ماہوار تقرر کی تھی نواب صاحب موصوف ناظم تخلص کرتے تھے اُنکی ایک مسلسل غزل غالب کے رنگ میں بہت مشہور ہے جسکا مطلع یہ ہے۔ میں نے کہا کہ دعوئے الفت ۔ مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط۔ اور کسقدر غلط

میرا جواب نہیں۔ لے اب تو قرمندار[۱] وں کو جواب دے۔

آیئے۔ نجم الدولہ بہادر! ایک قرمندار کا گریبان میں تھا۔ ایک

قرمندار بھوگ[۲] سنا رہا ہے۔ میں ان سے پوچھ رہا ہوں۔

اجی حضرت۔ نواب صاحب۔ آپ سلجوقی اور افراسیابی

ہیں[۳]۔ یہ کیا بے حرمتی ہو رہی ہے۔ کچھ تو اُسکو کچھ تو بولو۔

بولے کیا بے حیا۔ بے غیرت۔ کوٹھی سے شراب۔ گندھی سے

گلاب۔ بزاز سے کپڑا۔ میوہ فروش سے آم۔ صراف سے

---

[۱] پیشتر قرمندار بمعنی قرضخواہ بھی استعمال ہوتا تھا۔ اب متروک ہے۔

[۲] بھوگ سنانا صلواتیں سنانا۔ [۳] افراسیاب توران کا بادشاہ تھا اُسکی اولاد میں

سلجوق نامی ایک شخص چوتھی صدی ہجری میں مسلمان ہو گیا اسکے بیٹے پوتے بڑھتے

بڑھتے بادشاہت تک پہنچ گئے اور ایشیائے کوچک میں انکی سلطنت مختلف مقامات پر

قائم ہو گئی اور سلطان ملک شاہ الپ ارسلان سنجر وغیرہ بڑے بڑے بادشاہ ہوئے جب ان کا

بھی ستارہ اقبال غروب ہو گیا تو سلجوقی شہزادے منتشر ہو گئے اس زمانہ میں غالب کے دادا بھی

سمرقند سے دہلی آ گئے اُسوقت یہاں شاہ عالم حکمراں تھے۔ غالب کا سلسلہ خاندان سلجوق سے گزر کر

افراسیاب تک پہنچتا ہے۔ آل افراسیاب بڑی جنگجو اور بہادر تھی۔ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ مابعد)

دام - قرض لیئے جاتا ہے یہ بھی تو سوچا ہوتا کہ کہاں سے دونگا۔

(اردوئے معلیٰ)

عموماً ان قرضوں کا جو انجام ہوا کرتا ہے آخر اس سے غالب کو بھی سابقہ پڑا۔ ایک مرتبہ قرضخواہوں نے نالش کی۔ جوابدہی میں طلب ہوئے۔ مفتی صدر الدین خاں کی عدالت تھی۔ جسوقت پیشی میں گئے یہ شعر پڑھا۔

قرض کی پیتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
رنگ لائیگی ہماری فاقہ مستی ایکدن

اس مقدمہ کا نتیجہ نہیں معلوم کہ قسط باندھی یا کسی اور طرح قرضخواہوں سے پیچھا چھوڑایا مگر اسی قسم کے قرضوں کی بدولت گرفتاری کے خوف سے غالب کو کچھ دن خانہ نشینی بھی اختیار کرنی پڑی تھی۔ دن میں گھر سے باہر نہیں نکلا کرتے تھے دیوانی کے

(تکملہ حاشیہ صفحہ ماقبل) سپہ گری ان کا خاص پیشہ تھا۔ اسیوجہ سے غالب فرماتے ہیں۔

سو پشت سے ہے پیشۂ آبا سپہ گری
کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

مدیونوں کیطرح رات کے وقت کہیں ہو آیا کرتے تھے۔ اِس کا ذکر انھوں نے اپنے ایک فارسی خط میں جو لکھنؤ کے مشہور و معروف شاعر شیخ امام بخش ناسخ کے نام ہے۔ تحریر کیا ہے۔ میں لطور اقتباس اس خط کا ترجمہ یہاں درج کرتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ اس قیدِ خانہ نشینی میں انپر کیا گزرتی تھی اور اس مصیبت کو وہ کیسی مصیبت سمجھتے تھے۔

"چار مہینے سے راقم دروازہ بند کرکے گوشے میں بیٹھا ہوا ہے اور اپنے پرائے کسی سے نہیں ملتا۔ اگرچہ قیدخانے میں نہیں ہوں۔ لیکن میرا کھانا۔ سونا سب قیدیوں ہی کا سا ہے۔ ان چند روز میں جو کچھ رنج و مصیبت میں نے دیکھی ہے اگر کوئی کافر جہنم کے سو برس کے عذاب میں اسکی آدھی بھی جھیل سکتا ہو تو میں کافر۔ پہلی چنگاری جو میرے خرمن صبر و ثبات میں پڑی وہ یہ تھی کہ میرے قرضخواہوں کے گروہ میں سے دو ساہوکاروں نے عدالت انگریزی سے میرے خلاف ڈگری حاصل کرلی۔ قاعدہ یہ ہے کہ یا تو زرِ ڈگری ادا کرے یا جیلخانے جائے۔ اِس معاملہ میں امیر و غریب سب کے ساتھ یکساں

برتاؤ ہے۔ البتہ مشہور اشخاص کے ساتھ اتنی رعایت ہوتی ہے
کہ عدالت کا چپراسی اُن کے گھر نہیں جاتا اور جب تک کہ مدیون رستے
میں نہ ملے قید نہیں کر سکتے۔ روپیہ ادا کرنے کا مجھے مقدور نہ تھا
مجبوراً عزت کے خیال سے گھر میں بیٹھ رہا۔ اور اپنے پرائے سب کے
لئے دروازہ بند کر دیا۔ آج کے دن تک خودداری کی بیڑی
پاؤں میں پہنے اسیطرح اقامت گزیں ہوں۔
میں اسی گوشہ نشینی و تنگدلی کی حالت میں تھا کہ کسی ظالم ناخداترس نے
خدا اُسکو عذاب دائمی میں گرفتار کرے۔ ولیم فرزیر صاحب بہادر
رزیڈنٹ دہلی کو جو کہ غالب و مغلوب کا مربی تھا۔ اندھیری رات
میں بندوق سے ہلاک کر کے مجھے والد کے مرنے کا غم یاد دلادیا۔
اس گوشے سے جسکا ذکر کر چکا ہوں اُسکی طرح صرف رات ہی کو
میں نکل سکتا تھا اسلیئے دہلی کے مجسٹریٹ کے پاس جس سے میری
ملاقات و دوستی تھی۔ وقت گزارنے کے لیئے کبھی کبھی رات کو
چلا جایا کرتا تھا۔

(پنج آہنگ مطبوعہ انوار الاسلام حیدرآباد دکن صفحہ ۶۸،۶۹)

(۳) قیدِ فرنگ

میرا اصل موضوع اُن حالات کا بیان کرنا ہے جو غالبؔ پر
قیدِ فرنگ میں گزرے۔ قید کی گزشتہ دونوں قسموں کے
واقعات میں نے اس غرض سے لکھے ہیں تاکہ معلوم ہو جائے
کہ غالب جو علائق دنیوی کو سخت مصیبت اور جبریہ خانہ نشینی
کو عذابِ دوزخ سے بڑھکر سمجھتے تھے ان کے دل پر اِس
حقیقی قیدِ فرنگ کا کیا صدمہ ہوا ہوگا۔ اب اُن واقعات کا
ذکر کیا جاتا ہے جو اِس قید سے متعلق ہیں۔

مرزا حیرت کا بیان ہے۔

"پولیس انسپکٹر نے اِن کے ساتھ بہت رعایت کی تھی۔ اِن کو
ہاتھ نہیں لگایا نہ کسی قسم کی توہین نہیں کی اور ضمانت پر
رہا کر دیا۔

(چراغ دہلی مطبوعہ کرزن پریس دہلی صفحہ ۳۲)

مرزا حیرت کا یہ بیان قطعاً صحیح نہیں ہے کہ "پولیس انسپکٹر نے اِن کے ساتھ بہت رعایت کی" خود غالب نے اِس قید کا اصلی سبب پولیس انسپکٹر یعنی کوتوال شہر کی دشمنی قرار دیا ہے۔ اب رہا یہ امر کہ "پولیس نے اِن کو ہاتھ نہیں لگایا اور کسی قسم کی توہین نہیں کی" اِسکی بھی تردید غالب کے ترکیب بند اسیری سے مجملاً ہوتی ہے جیسا کہ آگے معلوم ہوگا۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ دوران مقدمہ میں غالب ضمانت پر رہا رہے ہوں۔ قیدخانے میں غالب کی رہائش کے متعلق حالی لکھتے ہیں۔

"قید خانے میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوئی وہ بالکل اُسی آرام سے رہے جیسے گھر پر رہتے تھے۔ کھانا کپڑا۔ اور تمام ضروریات حسبِ دلخواہ گھر سے ان کو پہونچتی تھی۔ ان کے دوست ان سے ملنے جاتے تھے اور وہ صرف نظربندوں کی طرح جیل خانے کے ایک علیحدہ کمرے میں رہتے تھے۔

(یادگار غالب صفحہ ۲۸)

حالی جو اِن واقعات کے شاہد عینی خیال کیے جاسکتے ہیں

اُن کے فرمانے کے بعد مجھ جیسے طفلِ مکتب کا کچھ کہنا اگرچہ بانگِ بے ہنگام کی حیثیت رکھتا ہے لیکن غالب نے حالتِ قید میں جو ترکیب بند لکھا تھا اور جس کا ذکر کسیقدر تفصیل کے ساتھ دیباچے میں کیا جا چکا ہے اس کے بعض اشعار سے اور نیز دیگر ذرائع سے حالی کی تحریر کے خلاف پتہ لگتا ہے۔ اِس لیے میں آغاز اسیری سے رہائی تک کے واقعات کا تجزیہ کر کے لکھتا ہوں تاکہ صحیح اندازہ ہو سکے۔

(الف) عدالت سے محبس

معلوم ہوتا ہے کہ محبس پہنچاتے وقت غالب کے ساتھ پولیس والوں یا جوانانِ محبس کا ایک ہجوم تھا جس سے اُنکو تکلیف ہو رہی تھی۔ غالب اپنے ترکیب بند کے تیسرے بند میں فرماتے ہیں۔

پاسباناں بہم آئید کہ من می آیم ⁂ درِ زنداں بکشائید کہ من می آیم
جادہ نشناسم و زانبوہ شما می ترسم ⁂ راہم از دور نمائید کہ من می آیم

فرماتے ہیں۔ پہرے والو مجھے لے چلنے کیلئے اکٹھے ہو جاؤ قیدخانے کا دروازہ کھول دو میں اسمیں داخل ہوتا ہوں۔

دوسرا شعر ملاحظہ ہو۔ کہتے ہیں مجھے جیلخانے کا رستہ معلوم نہیں ہے مگر میں تمھارے ہجوم سے ڈرتا ہوں۔ دور سے مجھے رستہ بتادو میں خود آجاتا ہوں۔

اسی بند کے ایک دوسرے شعر سے ظاہر ہے کہ سپاہیوں نے محبس پہنچاتے وقت حسبِ عادت اِنکے ساتھ کچھ سختی بھی کی تھی۔ ملاحظہ ہو کسقدر دردناک شعر ہے۔

رہروِ جادۂ تسلیم درشتی نکند
سخت گیرندہ چرائید کہ من می آیم

یعنی تسلیم و رضا کا رستہ چلنے والا کسی کے ساتھ مزاحمت و مقابلہ نہیں کرتا۔ تم سختی کیوں کر رہے ہو۔ میں خود قیدخانے چل رہا ہوں۔

(ب) خانۂ زنداں

زمانۂ سابق کے کسی قید خانے کے متعلق یہ امید نہیں
کیجا سکتی کہ ہمارے زمانے کے مہذب محابس کیطرح اُن میں
کافی روشنی و ہوا کا انتظام کیا جاتا ہوگا۔ جس حجرے میں غالب
محبوس رکھے گئے تھے وہ بھی آرام و آسائش سے معرے
نظر آتا ہے۔ ترکیب بند اسیری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ
"اینٹ مٹی" کا حجرہ تھا۔ مگر اسکی ہیبت ملاحظہ ہو۔

لرزد از خوف دریں حجرہ کہ از خشت و گل است
ورنہ در دل خطر از کامِ نہنگم نہ بود

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دو نگہبان بھی غالب پر متعین تھے۔
فرماتے ہیں:۔

زیں دو سرہنگ کہ پو یند بہم می ترسم
بیمے از شیر و ہراسم زِ پلنگم نہ بود

راتوں کو صرف حجرے کے دروازے پر چراغ روشن
کر دیا جاتا تھا۔ اندر کوئی روشنی نہیں ہوتی تھی۔ کہتے ہیں۔

تا چسانم گزرد روز بہ شبہا دریاب
از چراغے کہ عسس بر درِ زنداں سوزد

خیال فرمائیے کہ صرف اُس چراغ کی روشنی میں جو درِ
زنداں پر پہرے والا روشن کر دیتا ہے۔ آجکل مری
راتیں کسطرح گزر رہی ہیں؟

اس اندھیرے سے غالب کو سخت تکلیف ہوتی تھی
کئی شعروں میں اسکی شکایت کی ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔

آہ ازیں خانہ کہ روشن نہ شود در شبِ تار
جُز بداں خواب کہ در چشم نگہباں سوزد

یعنی افسوس اندھیری راتوں میں چراغ تو اس گھر میں نہیں
جلایا جاتا البتہ نگہبان کی آنکھ میں نیند جلتی رہتی ہے۔ مطلب
یہ کہ ساری رات پہرے والے جاگتے رہتے ہیں۔ لفظ
"سوزد" میں صنعت ایہام ہے۔ اِسکے بعد فرماتے ہیں:۔

اے کہ در زاویہ شبہا بہ چراغم شُمری
دلم از سینہ بروں آر کہ داغم شمری

"اُس گوشے میں تم خیال کر رہے ہو گے کہ میرے پاس چراغ ہو گا۔ میرے دِل کو سینے سے نکال کر دیکھو تا کہ میرے داغوں کا شمار ہو سکے"

غالب اِس خانۂ زنداں کی گرمی اور گُھٹن کی نسبت فرماتے ہیں۔

آہ ازیں خانہ کہ در وَے نتواں یافت ہَوا
جُز سُمومے کہ خس و خارِ بیاباں سوزد

یعنی "سوائے اُس گرم لُو کے جو بیاباں کے خس و خار کو بھی بھسم کر دے اس گھر میں افسوس ہوا کا نام نہیں"

(ج) قید کا سال۔ مہینے اور موسم

حالی نے یادگارِ غالب میں واقعہ قید کا سال ۱۲۶۴ھ ہجری اور منشی کریم الدین وفیلن صاحب نے اپنے تذکرے میں ۱۸۴۷ء

لکھا ہے۔ غالب کے ترکیب بند اسیری سے مہینوں کا بھی یقین ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

رفتہ در بارۂ من حکم کہ با درد و دریغ
شش مہ از عمر گرامی گزرانم در بند
اگر این است۔ خود آنست کہ عید اضحیٰ
گزرد نیز چو عید رمضانم در بند

یعنی میرے بارے میں یہ حکم ہوا ہے کہ تکلیف و مصیبت کے ساتھ چھ مہینے قید میں گزاروں۔ اگر یہی بات ہے تو ظاہر ہے کہ جسطرح عید رمضان جیلخانے میں گزر گئی عید الضحیٰ بھی یہیں گزریگی۔ اشعار مذکورہ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ غالب نے چھ مہینے کی میعاد کا حساب لگا کر یہ اندازہ کیا تھا کہ عید الضحےٰ بھی قید خانے میں منائی جائیگی۔ لیکن تین مہینے بعد ہی چونکہ وہ رہا ہو گئے اسلئے اُنکی قید کے مہینے رجب سے لگا کر ذیقعدہ تک کے پانچ مہینوں میں سے کوئی سے تین ہونگے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ موسم کیا تھا؟ غالب کے ایک شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گرمی کا موسم تھا

اور اُن دنوں سخت لُو چلتی تھی۔ فرماتے ہیں:۔

آہ ازیں خانہ کہ در وے نتواں یافت ہوا

جز سمومے کہ خس و خار بیاباں سوزد

یعنی افسوس یہ ایسا گھر ہے کہ یہاں بجز اُس لُو کے جو جنگل کے خس و خار کو بھی جلا کر بھسم کر دے ہوا کا نام بھی نہیں ہے پس نتیجہ یہ نکلا کہ شوال سنہ ۱۲۶۴ ہجری مطابق سنہ ۱۸۴۷ء میں گرمی کے موسم میں غالب قید تھے۔

(د) خور و خواب
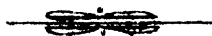
زمانہ قید میں غالب کے کھانے کے متعلق مولوی حالی لکھتے ہیں کہ کھانا حسب دلخواہ اُن کو گھر سے پہنچتا تھا۔ مگر ترکیب بند اسیری کے ایک شعر سے اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

شادم از بند کہ از بندِ معاشش آزادم

از کفِ شحنہ رسد جامۂ و نانم در بند

میں اِس قید سے اس بناء پر خوش کہ فکرِ معاش سے تو اُس نے آزاد کر دیا جیل خانے میں روٹی کپڑا مجھے داروغہ محبس کے ذریعہ سے ملتا ہے۔"

اگر یہ قیاس کیا جائے کہ کھانا تو مکان ہی سے جاتا ہوگا مگر داروغہ کے توسط سے اُن کو ملتا ہوگا تو یہ کوئی اچھا قیاس نہیں ہے اِس سے شعر کا لطف جاتا رہتا ہے بس یہی ماننا پڑیگا کہ جیل میں اُن کو سرکاری کھانا دیا جاتا ہوگا۔

یہ ظاہر ہے کہ ایک غیرت دار شخص کو جیلخانے میں کیا خاک نیند آسکتی ہے۔ غالب بھی نیند کے طالب ہیں اور اپنے ظریفانہ انداز میں فرماتے ہیں:۔

آمہ و خامہ بیارید و سجل بنویسید
خواب از بخت ہمی وام ستانم در بند

"قلم دوات لاؤ اور دستاویز لکھو۔ میں اس قید خانے میں اپنے بخت خفتہ سے نیند قرض لینا چاہتا ہوں۔"

(۵) لباس

مولوی حالی فرماتے ہیں "کپڑا اور تمام ضروریات اُن کو گھر سے پہنچتی تھی مگر حسب ذیل شعر سے جو اوپر بھی لکھ چکا ہوں اس کی تائید نہیں ہوتی:۔

شادم از بند کہ از بند معاش آزادم
از کفِ شحنہ رسد جامہ و نانم در بند

آزاد آبِ حیات میں فرماتے ہیں:۔

(قید میں) کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ جوئیں پڑ گئی تھیں۔ ایک دِن بیٹھے اُن میں سے جوئیں چُن رہے تھے۔ ایک رئیس وہیں عیادت کو پہنچے۔ پوچھا کیا حالت ہے؟ آپ نے یہ شعر پڑھا۔

ہم غم زدہ جس دن سے گرفتارِ بلا ہیں
کپڑوں میں جوئیں بخئیے کے ٹانکوں سے سوا ہیں

آگے چلکر آزاد لکھتے ہیں۔

جب ان وہاں (قید خانے) سے نکلنے لگے اور لباس تبدیل کرنیکا موقع آیا تو وہاں کا کُرتہ وہیں پھاڑ کر پھینکا اور یہ شعر پڑھا۔

ہائے اُس چار گرہ کپڑے کی قیمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

مذکورہ بالا دونوں شعروں سے بھی میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر مکان سے لباس پہنچتا تو جوئیں پڑنے کی نوبت نہ آتی۔ اور چلتے وقت کُرتے کو پھاڑ کر پھینکنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

اس جگہ یہ عرض کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کسی رئیس کا غالب سے ملاقات کیلئے جیل میں آنا اور اُن کا جوؤں والا شعر پڑھنا بعد کا بنایا ہوا لطیفہ ہے ورنہ ترکیب بند اسیری سے ظاہر ہے کہ اُنکے دوست احباب اُس زمانے میں اُن سے ملاقات کے لیئے یا تو عمداً نہیں آتے جاتے تھے یا ملاقات کی ممانعت تھی جیسا کہ آگے صراحت کی جائیگی۔

(۹) قید میں غالب کیساتھ نواب مصطفیٰ خاں کا سلوک

حالی کہتے ہیں کہ "نواب مصطفیٰ خاں تین مہینے تک برابر مرزا صاحب کی غمخواری اور ہر طرح خبرگیری میں مصروف رہے"
اسکا پتہ غالب کے ترکیب بند سے بھی لگتا ہے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:-

خود چرا خوں خورم از غم کہ بہ غمخواریٔ من
رحمتِ حق بہ لباسِ بشر آمد گوئی

خواجۂ ہست دریں شہر کہ از پرسش او
پایۂ خویشتنم در نظر آمد گوئی

مصطفیٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوارِ من ست
گر بمیرم۔ چہ غم از مرگ۔ عزادارِ من ست

یعنی "میں اپنی مصیبت پر آپ کیا رنج کروں۔ میری غمخواری کیلئے خدا کی رحمت انسان کے بھیس میں آئی ہوئی ہے اس شہر میں

ایک ایسا سردار ہے جس کی ہمدردی کی وجہ سے میں نے اپنے مرتبے کو پہچانا یعنی میں بھی ایسا ہوں جسکی خبر گیری ایسا زبردست شخص کر رہا ہے۔ چونکہ اس واقعہ پر مصطفےٰ خاں میری غم خواری فرمار ہے ہیں۔ اب میں مر بھی جاؤں تو غم نہیں۔ میرا یہ ادعا موجودہ اشعار مذکورہ بالا کے علاوہ ایک اور فارسی قصیدے[1] سے جو غالب نے نواب صاحب ممدوح کی تعریف میں لکھا ہے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ زمانہ اسیری میں غالب کو کچھ لکھنے یا کہلا بھیجنے کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ نواب صاحب اپنے آپ

---

[1] ۔اس قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

زخمہ بر تار رگِ جاں می زنم ۔۔ کس چہ داند تا چہ دستاں می زنم

اور تین شعر ملاحظہ ہوں۔

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال ۔۔ در ہوائے مصطفیٰ خاں می زنم

دستِ رد بر تاجِ قیصر می نہم ۔۔ پشت پا بر تختِ خاقاں می زنم

گلشن کویش گزرگاہِ من ست ۔۔ ذوقِ دررفتن بہ رضواں می زنم

اِن کی تمام ضروریات کی تکمیل کرا دیتے تھے ملاحظہ ہو۔

نالہ در کنج زنداں می زنم	بشنود بے آنکہ باد آنرا برد
نقش گر بر صفحۂ جاں می زنم	بنگرد بے آنکہ کلک آنرا کشد

کہتے ہیں "میں کنج زنداں میں جب نالہ کرتا ہوں قبل اسکے کہ ہوا اسکو لیجائے وہ خود سن لیتا ہے جو نقش کہ میں اپنے صفحۂ جاں پر کھینچتا ہوں یعنی جو خیال میرے دِل میں گزرتا ہے قلم کے بغیر لکھے ہوئے وہ دیکھ لیتا ہے"

اس موقع پر قدرت کی اِس ستم ظریفی کا ذکر شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ یہی نواب مصطفیٰ خاں ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد جب قید ہو جاتے ہیں اور بغاوت کے الزام میں ان کو سات سال کی قید کا حکم سُنایا جاتا ہے تو غالب کو بڑا صدمہ ہوتا ہے۔ اپنے دوستوں اور شاگردوں کے خطوط میں اِس واقعہ کا ذِکر بہت درد و اثر کے ساتھ کرتے ہیں کہ۔

"ہائے وہ نازپروردہ یہ قید کیونکر برداشت کریگا"

اور ہر طرح کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے متعلق معلومات

حاصل کریں۔ اور جب وہ الزام سے بَری ہو کر رہائی پاتے ہیں تو غالب باوجود ضعف وخرابی صحت کے فوراً میرٹھ جاتے ہیں اور جب تک اپنے وفادار دوست اور دیرینہ محسن کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ لیتے چین نہیں پاتے۔

(ز) قیدیوں کا سُلوک
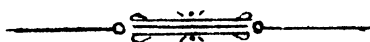
جیل خانے میں ممکن ہے کہ غالب کو سب سے علٰحدہ کسی کمرے میں رکھا گیا ہو مگر اُن کے ایک شعر سے قیدیوں کے ساتھ اُنکے رہنے کا پتہ لگتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

اہلِ زنداں بہ سر و چشم خودم جادادند
تا بدیں صدر نشینی چہ قدر ناز کنم

یعنی قیدیوں نے مجھے اپنے سَر پر بٹھایا۔ اس صدر نشینی پر کہاں تک فخر کروں۔

آگے کے شعر میں دہلی و یارانِ دہلی سے گھبرا کر کہتے ہیں۔

ہلہ[1] وزدان گرفتار۔ وفانیست بہ شہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہم راز کنم

یعنی اے چوری کے الزام میں قید ہونے والو! اِس شہر میں وفاداری عنقا ہو گئی۔ اب میں تمہارا ہمدم و ہمراز بنتا ہوں (تم میں وفاداری اور رازداری کی صفت زیادہ موجود ہے) میرا خیال ہے کہ اِس شعر میں غالب نے اُن لوگوں پر چوٹ کی ہے جنہوں نے اِنکے چوسر کھیلنے کے راز کو مخفی نہ رکھکر ازراہِ بیوفائی پولیس میں مخبری کی یا اِن کے خلاف عدالت میں گواہی دی۔

(ح) قید میں دوستوں کی مُلاقات غالب سے

حالی کے اس جملے میں کہ "اِن کے دوست اِن سے

---

[1] ۔ ہلہ کلمۂ تنبیہ ہے۔ آگاہ کر دینے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی ہوشیار ہو جاؤ۔

ملنے جاتے تھے"۔ مجھے کلام ہے۔ اور کسی رئیس کی ملاقات کا ذکر جو آزاد نے کیا ہے اور جسکا اعادہ میں "لباس" کے ضمن میں کر چکا ہوں اُس میں بھی مجھے شُبہ ہے اِس قسم کے لطیفے شعرا کے اشعار کی نسبت بعد میں بنا لیئے جاتے ہیں۔ بہر حال غالب کے کلام سے مجھے اِس بات کا پتہ لگتا ہے کہ لوگوں کو اُن سے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ اور وہ بھی شرم کی وجہ سے یہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی اُن کو اِس افسوسناک حالت میں دیکھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

نہ پسندم کہ کس آید۔ نتوانم کہ روم
جانبِ در بہ چہ۔ چہ حسرت نگرانم در بند

یعنی میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ کوئی میرے پاس آئے اور میں بھی کہیں جا نہیں سکتا۔ عجب حسرت کے ساتھ دروازے کو تکتا رہتا ہوں"

ترکیب بند اسیری سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانۂ اسیری میں اِنکی دوست احباب اِنسے ملنے نہ گئے اور اِنکی خیریت نہ پوچھی جسکی غالب نے

شکایت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

بسکہ خویشاں شدہ بیگانہ زبدنامی من
غیر۔ نشگفت۔ خورد گر غم ناکامی من

یعنی میری اِس بدنامی کی وجہ سے جتنے خویش و اقارب تھے وہ بیگانہ ہو گئے (میری کوئی خبر نہیں لیتا) پس میری مصیبت پر اگر غیر غمخواری کریں تو تعجب کی بات نہیں ہی۔ یہ شعر ملاحظہ ہو کسقدر دردناک ہے اور غالب نے اپنی مجبوری کی تصویر کن الفاظ میں کھینچی ہے جس سی رُونا آتا ہی۔

یار دیرینہ۔ قدم رنجہ مفرما کاینجا
آں نگنجد کہ تو در کوبی و من باز کنم

فرماتے ہیں" میرے پُرانے دوست یہاں آنیکی تکلیف گوارا مت کرو۔ مجھے یہاں اتنی بھی اجازت نہیں ہے کہ تم دروازہ کھٹ کھٹاؤ اور میں اُٹھکر کھول بھی سکوں "۔ ترکیب بند اسیری کے ساتویں بند سے البتہ مترشح ہوتا ہے کہ زمانہ قید میں عام احباب تو کیا اِنکے خاص دوست بھی

اِن سے ملنے نہیں گئے تھے جبکا شکوہ اِنھوں نے اِسطرح فرمایا ہے۔

ہمہ ماں۔ دردلم۔ از دیدہ نہانید ہمہ
غالبِ غمزدہ را روح دروانید ہمہ
درمیاں ضابطۂ مہر و وفائی بود ست
من برنیم۔ کہ ہر آئینہ برآئید ہمہ
روزے از مہر نگفتید فلانی چون ست
بارے از لطف بگوئید چسانید ہمہ

پہلے شعر سے ظاہر ہے کہ یہ شکوہ اُن لوگوں سے کیا جارہا ہے جو غالب کے "روح وروان" تھے اور جنکی صورت اِن کی آنکھوں سے پوشیدہ مگر دِل میں موجود تھی۔ دوسرے شعر میں شرطِ محبت اور معاہدۂ وفا کی یاد دلائی ہے کہ "ہمارے تمہارے درمیان مہر و وفا کا عہد و پیمان تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اُس عہد پر قائم ہوگے" آخر میں صاف صاف فرماتے ہیں "ایک دِن بھی تم نے میری خبر نہ لی اور

یہ نہ پوچھا کہ غالب پر کیا گزر رہی ہے۔ خیر مہربانی کر کے اب
یہی بتادو کہ تم سب تو اچھے ہو؟"

اِس سے بڑھکر اور ملاحظہ ہو۔

چارۂ گر نتواں کرد۔ دعائے کافی ست
دِل اگر نیست۔ خداوند زبانے دارید

یعنیؔ اگر میری رہائی کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتے ہو تو خیر۔
تمہاری دعا ہی میرے لیئے کافی ہے۔ اگر تمہارے پہلو
میں دِل نہیں ہے اور تم میری تکلیف محسوس نہیں کر رہے
ہو تو آخر مُنھ میں زبان تو ہے۔ دعا کے واسطے زبان
ہی ہِلا دو"

پھر فرماتے ہیں۔

آں نہ باشم کہ بہر بزمِ زِمن یاد کنید
دارم امید کہ در بزم سخن یاد کنید

یعنیؔ "میں اِس قابل تو نہیں ہوں کہ ہر موقع پر مجھے یاد کرو
لیکن کم سے کم محفلِ مشاعرہ میں تو میرا خیال کر لیا کرو"

(ط) قید خانے میں غالب کا مشغلہ

زمانۂ اسیری میں یقیناً اِن سے کوئی کام متعلق نہ تھا اور اِن کا
اصل مشغلہ اِس زمانے میں شعر گوئی تھا لیکن اِنھوں نے اِس
شعر گوئی کو بھی ایک قسم کی مشقت ہی تصور کیا تھا۔ فرماتے ہیں۔

بے مشقت نبود قید بہ شعر آویزم
روزے کے چند رسن تابیِ آواز کنم

یعنی "بغیر مشقت کے تو قید ہوتی نہیں اس لیئے مناسب ہی
کہ یہاں شعر گوئی کروں اور چند روز آواز کی رسّی بٹوں"
بعض قیدیوں سے رسّی باٹنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ اس
شعر میں اُسی طرف اشارہ ہے۔ قید محض ہو یا نظر بندی ہو غالب
جیسے آزاد منش۔ آزاد خیال۔ آزاد طبع و آزاد مشرب شخص پر
جسقدر شاق گزری ہو گی اُسکا اندازہ اُن کے بعض اشعار ہی سے
ہو سکتا ہے۔ انھوں نے اس واقعہ کو اپنے حق میں قیامت

سمجھا تھا۔ فرماتے ہیں۔

انچہ فرداست ہم امروز درآمد گوئی   آفتاب از جہتِ قبلہ برآمد گوئی

دل ودستے کہ مرا بود فرو ماند زکار   شب دروزیکہ مرا بود سرآمد گوئی

بہرۂ اہل جہاں چوں زجہاں درد وغم ست

بہرۂ من زجہاں بیشتر آمد گوئی

یعنی "جو کل ہونے والا تھا آج ہی ہو گیا۔ قبلہ کی طرف سے آفتاب نکل آیا (قیامت آگئی) نہ اب میرا دل قابو میں ہے نہ ہاتھ۔ جتنے دِن میری زندگی کے تھے ختم ہو گئے۔ اہل دنیا کا حصہ اس دنیا میں رنج وغم ہے اور مجھے اس میں سے بہت بڑا حِصّہ ملا ہے۔"

یہ شعر ملاحظہ ہو۔

من بخوں خفتہ وبینم ہمہ بینید ہمہ

من جگر خستہ و دانم ہمہ دانید ہمہ

"میں خون میں سو رہا ہوں اور اپنی یہ حالت دیکھ رہا ہوں۔ تم سب بھی دیکھ لو۔ میرے جگر کے ٹکڑے اڑ گئے اور یہ سب مجھے

معلوم ہے۔ تم سب بھی اس سے آگاہ ہو جاؤ۔"

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام کاموں میں شاعری عجیب کام ہے۔ شاعر کا دماغ کسی وقت معطل نہیں ہوتا۔ رنج میں۔ خوشی میں۔ دُکھ میں۔ بیماری میں وہ اپنا کام کرتا ہی رہتا ہے۔ کوئی مصیبت آئی تو آسمان کا رونا لے بیٹھے۔ کوئی مر گیا تو مرثیہ لکھدیا۔ تاریخ وفات لکھدی۔ شادی میں سہرا لے کر دوڑے۔ تہنیتی قصیدہ تیار کر دیا۔ غالب بھی اس کُلیہ سے باہر نہ تھے۔ چنانچہ اس صدمۂ عظیم میں بھی ان کی قوتِ شاعری مفلوج نہ ہوئی بلکہ اس میں اور بھی زیادہ قوت آ گئی جس کی زبردست دلیل ان کا ترکیب بند اسیری ہے جو انھوں نے حالتِ قید میں لکھا تھا۔ حالی نے اس نظم کو غالب کی عمدہ ترین نظموں میں شمار کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس میں عجیب تاثیر و جادو بھرا ہوا ہے۔ اسکی ابتدا ہی ملاحظہ ہو۔

خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم ؎ غم دل پردہ دری کرد۔ فغاں ساز کنم
بہ نوائے کہ زِ مضراب چکاند خوناب ؎ خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم

مطلب ان شعروں کا یہ ہے کہ "میں چاہتا ہوں کہ جیلخانے

میں اپنی قید کا ذکر بیان کرنا شروع کروں۔ غمِ دل قابو سے باہر ہو گیا۔ اب فریاد کرتا ہوں۔ اب ایسی لَے کے ساتھ راگ چھیڑتا ہوں کہ مضراب سے خون ٹپکنے لگے۔ اِن اشعار میں پردہ۔ ساز۔ مضراب اور زمزمہ متناسب الفاظ ہیں۔

یہ نظم محض شاعری اور فقط باتیں نہیں ہیں بلکہ غالب کی دلی کیفیات و روحانی تکالیف کا آئینہ ہے اور اِس کا ہر شعر صرف قال نہیں بلکہ حال کی تصویر ہے۔ اگر اِن کی قید کا واقعہ پیش نہ آتا تو شاید اسیری پر ایسی نظم کبھی نہ لکھی جاتی۔ غالب کو زندہ رکھنے کے لیئے یہی ایک نظم کافی ہے۔ حالی نے اِس کا انتخاب یادگارِ غالب میں دیا ہے۔ اگرچہ موقع بہ موقع اِس نظم کے مختلف اشعار بطور استدلال میں نے اِس مضمون میں پیش کیئے ہیں مگر آخر میں پورا ترکیب بند بھی نقل کر دیا ہے تاکہ اس کے جوش و تاثیر کا پورا اندازہ ہو سکے اور واقعات کا تسلسل فی الجملہ معلوم ہو جائے۔

زمانۂ اسیری میں بھی غالب اس واقعہ سے بہت متاثر تھے اور رہائی کے بعد بھی اُن کو جیلخانے کی تکلیف سے بڑھکر لوگوں کے طعن وتشنیع کا خیال تھا جیساکہ اُن کے حسب ذیل اشعار سے ظاہر ہے۔

ہمدما۔ دارم امید رہائی در بند — دامن ار بعد رہائی تہِ سنگم نبود

رازدانا۔ غم رسوائیِ جاوید بلاست — بہ آزار۔ غم۔ از قیدِ فرنگم نبود

جورِ اعدا رود از دل بہ رہائی لیکن — طعن احباب کم از زخمِ خدنگم نبود

گرچہ توقیع گرفتاریِ جاویدم نیست
لیکن از دہر دگر خوشدلی امیدم نیست

فرماتے ہیں" اے ہمدم رہائی کے بعد اگر میرا ہاتھ پتھر تلے نہ رہے تو البتہ قیدخانے میں رہائی کی امید کروں (مگر ایسا نہ ہوگا رہائی کے بعد بھی گویا مقیّد ہی ہونگا) اے میرے رازدار! قیدِ فرنگ میں جو تکلیف میں نے اُٹھائی ہے اِسکا مجھکو رنج نہیں ہے

البتہ عمر بھر کی ذلت کا غم ایک بلا ہے۔ رہائی کے بعد دشمنوں کے ظلم کا خیال تو دل سے نکل سکتا ہے مگر دوستوں کے طعنے تیر کے زخم سے کم نہیں۔ اگرچہ میرے حبس دوام کا حکم صادر نہیں ہوا ہے لیکن (یہ صدمہ ایسا پہنچا ہے) کہ اب مجھے دنیا میں کبھی خوشی نصیب نہ ہو گی۔"

قید سے غالب کو ایسا صدمہ ہوا تھا کہ وہ ہندوستان سے کیا بلکہ زندگی سے بیزار ہو گئے تھے اور سر بہ صحرا کہیں نکلکر چلا جانا چاہتے تھے جیسا کہ اُن کے رُقعے سے ثابت ہے۔ فرماتے ہیں۔

اگرچہ میں اس وجہ سے کہ ہر کام خدا کی طرف سے سمجھتا ہوں اور خدا سے لڑا نہیں جا سکتا۔ جو کچھ گزرا اُسکے ننگ سے اور جو کچھ گزرنے والا ہے اُس پر راضی ہوں۔ مگر آرزو کرنا آئینِ عبودیت کے خلاف نہیں ہے۔ میری یہ آرزو ہے کہ اب دنیا میں نہ رہوں۔ اور اگر رہوں تو ہندوستان میں نہ رہوں۔ روم ہے۔ مصر ہے۔ ایران ہے۔ بغداد ہے۔ یہ بھی جانے دو۔ خود کعبہ آزادوں کی جائے پناہ اور آستانۂ رحمت للعالمین دلدادوں کی تکیہ گاہ ہے۔

دیکھیے وہ وقت کب آئیگا کہ درماندگی کی قید سے جو اس گزری
ہوئی قید سے زیادہ جان فرسا ہے نجات پاؤں اور بغیر اسکے
کہ کوئی منزل مقصود قرار دوں سر بصحرا نکل جاؤں۔ یہ ہے
جو کچھ مجھپر گزر رہا ہے اور یہ ہے جسکا آرزو مند ہوں"۔

(فارسی رقعہ غالب مترجمہ حالی مشمولہ یادگار غالب صفحہ ۲۷ و ۲۸)

باوجود اس صدمہ و رنج کے اُن کو اپنے فضل و کمال کیوجہ
سے یہ بھی یقین تھا کہ یہ مصیبت اُن کے مرتبہ کو نقصان نہ پہنچا سکیگی۔
چنانچہ فرماتے ہیں۔

خستگی غازۂ روئے ہنر آمد گوئی | ہنرم را نتواں کرد حسن ضایع
یوسف از قید زلیخا بدر آمد گوئی | چرخ یک مرد گرانمایہ بزنداں خواہد

یعنی مجھے تکلیف پہنچا کر میرے ہنر کو ضایع نہیں کیا جاسکتا
تکلیف و مصیبت تو ہنر کے چہرے کے واسطے گلگونہ کا کام دیتا
ہے۔ آسمان کو قیدخانے کے لیئے ایک نہ ایک معزز آدمی کی
ضرورت ہوتی ہے۔ یوسف شاید زلیخا کی قید سے رہا ہو چکے
ہیں (اسلیئے اب میری باری آئی ہے)"۔

غالب شرمندگی کی وجہ سے اِس رہائی کو بھی رہائی تصور نہیں کرتے تھے۔ حالی فرماتے ہیں کہ

قید سے چھوٹ کر وہ بہادر شاہ کے مُرشد محمد نصیر الدین عرف میاں کالے کے مکان میں آکر رہے تھے۔ ایک دن وہ میاں کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کسی نے آکر قید سے چھوٹنے کی مبارکباد دی۔ غالب نے کہا۔

"کون بھڑوا قید سے چھوٹا ہے۔ پہلے گورے کی قید میں تھا اب کالے کی قید میں ہوں"

بظاہر یہ لطیفہ گورے کالے (فرنگی و دیسی) کا ہے مگر اس جواب کی تلخی سے غم و غصہ ظاہر ہے۔ خیال ایسا ہوتا ہے کہ اس قید کے بعد غالب اپنے دوستوں اور عزیزوں کی نظر میں حقیر ہو گئے ہونگے۔ یہ بات نہیں ہے ان کی عزت و منزلت میں کوئی کمی نہ ہوئی۔ قید کے وقت اُنکی عمر تقریباً (۴۲) سال

لہ۔ یہ مولانا فخر کے پوتے تھے جن سے بہادر شاہ ظفر اور دیگر اہلِ قلعہ کو سخت عقیدت تھی۔ ظفر کے اشعار میں بھی جابجا مولانا فخر کا نام آیا ہے۔

تھی[1] اور وہ اس کے بعد (۲۱) سال اور زندہ رہے مگر ان کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے کہ جو عزت و مرتبہ اُن کو قید کے بعد حاصل ہوا اُس سے قبل نہیں ہوا تھا۔ قید کے دو برس بعد ۱۲۶۶ھ ہجری میں وہ قلعۂ دہلی میں داخل ہوئے اور ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ نے ان کو نواب نجم الدولہ دبیر الملک نظام جنگ بہادر کا خطاب عطا کیا اور چھ پارچے کا خلعت مع تین رقوم جواہر یعنی جیغہ و سرپیچ و حمائل مروارید دربار عام میں مرحمت فرمایا[2] اور خاندان تیموری کی تاریخ نویسی کی خدمت اِنکے سپرد ہوئی۔ ۱۲۷۱ھ ہجری میں جب بہادر شاہ کے اُستاد شیخ ابراہیم ذوق کا انتقال ہوگیا تو بادشاہ کے اشعار کی اصلاح بھی غالب سے متعلق ہوگئی۔

غدر کے دو برس بعد نواب یوسف علیخاں والئی رامپور نے سو روپیہ تنخواہ ہمیشہ کے واسطے مقرر کردی۔

---

[1] بہادر شاہ کے پیر و مرشد محمد نصیر الدین صاحب عرف میاں کالے نے انکو دربار میں پہنچایا تھا۔

[2] بادشاہ کی مالی حالت سقیم تھی اسلیئے تنخواہ صرف (۵۵) روپیہ مقرر ہوئی تھی۔

سرکار انگریزی سے غالب کو ساڑھے سات سو روپیہ سالانہ ملا کرتے تھے۔ غدر میں یہ تنخواہ بند ہو گئی تھی۔ غدر کے تین برس بعد یہ بھی جاری ہو گئی۔

ترکیب بند اسیری[ل]
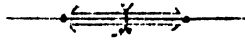
خواہم از بند بہ زنداں سخن آغاز کنم	غم دل پردہ دری کرد فغاں ساز کنم
بہ نوائے کہ زمضراب چکاند خوناب	خویشتن را بہ سخن زمزمہ پرداز کنم
در خرابی بہ جہاں میکدہ بنیاد نہم	در اسیری بہ سخن دعوئے اعجاز کنم

ل۔ میرے مضمون کی ترتیب کے وقت مجھے یہ پورا ترکیب بند نہیں مل سکا تھا جیسا کہ میں نے دیباچے میں تحریر کیا ہے۔ جب یہ مضمون زیر طبع تھا مجھے معلوم ہوا کہ رسالۂ خیالستان لاہور میں سالم ترکیب بند طبع ہوا ہے۔ چنانچہ رسالۂ مذکور کے نمبر بابتہ ماہ فروری و مارچ ۱۹۳۱ء سے صحت و اصلاح کے ساتھ اسکی نقل کیگئی۔ مولانا اختر شیرانی نے ایک مختصر نوٹ کیساتھ بہ عنوان "غالب کا اسیریہ" یہ نظم خیالستان میں شایع کی ہے۔

نے مشقت نبود قید۔ بہ شعر آویزم
روزکے چند رسن تابیٔ آواز کنم

چوں سرایم سخن انصاف زِ مجرم خواہم
چوں نویسم غزل اندیشہ زِ غماز کنم

تا چہ افسوں بہ خود از ہیبتِ صیاد دمم
تا چہ خوں در جگر از حسرتِ پرواز کنم

یارِ دیرینہ۔ قدم رنجہ مفرما کاینجا
آں نگنجد کہ تو در کوبی و من باز کنم

ہائے ناسازیٔ طالع کہ بہ من گردد باز
با خرد شکوہ گر از طالعِ ناساز کنم

اہلِ زنداں بسر و چشم خودم جا دادند
تا بدیں صدر نشینی چہ قدر ناز کنم

ہلہ۔ دزدانِ گرفتار۔ وفا نیست بشہر
خویشتن را بہ شما ہمدم و ہمراز کنم

من گرفتارم و ایں دائرہ دوزخ۔ تن زن
در سخن پیرویِ شیوۂ ایجاز کنم

گرچہ توقیعِ گرفتاریِ جاویدم نیست
لیکن از دہرِ دگر خوشدلی امیدم نیست

شمع ہر چند بہر زاویہ آساں سوزد
خوشتر آنست کہ بر نطع در ایواں سوزد

عودِ من ہرزہ بسوزید۔ دگر سوختنی ست
بگزارید کہ در مجمرِ سلطاں سوزد

خانہ ام ز آتشِ بیدادِ عدو سوخت دریغ
سوختن داشت ز شمعیکہ شبستاں سوزد

منم آں خستہ کہ گر زخمِ جگر بنمایم
برمن از مہرِ دلِ گبر و مسلماں سوزد

منم آں سوختہ خرمن کہ ز افسانۂ من
نفسِ راہرو و رہزن و دہقاں سوزد

منم آں قیس کہ گر سوئے من آید لیلیٰ — محمل از شعلۂ آواز حدی خواں سوزد
تا چسانم گزرد روز بہ شبہا دریاب — از چراغے کہ عسس بر در زنداں سوزد
تنم از بند دراںبوہ رقیباں لرزد — دلم از درد بر اندوہ اسیراں سوزد
از نم دیدۂ من فتنۂ طوفاں خیزد — از تف نالۂ من جوہر کیواں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ روشن نشود در شب تار — جز بداں خواب کہ در چشم نگہباں سوزد
آہ ازیں خانہ کہ در وی نتواں یافت ہوا — جز سمومے کہ خس و خار بیاباں سوزد

اے کہ در زاویۂ شبہا بچراغم شمری
دلم از سینہ بروں آر کہ داغم شمری

یا سیاناں بہم آئید کہ من می آیم — در زنداں بکشائید کہ من می آیم
ہر کہ دیدے بدر خویش سپاسم گفتی — خیر مقدم بسرائید کہ من می آیم
جادہ نشناسم و زانبوہ شما می ترسم — راہم از دور نمائید کہ من می آیم
رہرو جادۂ تسلیم درشتی نہ کند — سخت گیرندہ چرا ئید کہ من می آیم
خستہ تن در رہ و تعذیب ضرور است آنجا — نمک آرید و بسائید کہ من می آیم
عارض خاک بپاشیدن خوں تازہ کنید — رونق خانہ فزائید کہ من می آیم
چوں من آیم بشما شکوہ گردوں نہ رواست — زیں سپس شر اثر مخائید کہ من می آیم

هان عزیزان که درین کلبه اقامت دارید — بخت خود را بستایید که من می آیم

تا بدروازهٔ زندان پی آوردن من — قدمی رنجه نمایید که من می آیم

چون سخن سنجی و فرزانگی آیین من است — بهره از من بربایید که من می آیم

بخود از شوق ببالید که خود باز روید — بمن از مهر گرایید که من می آیم

بسکه خویشان شده بیگانه ز بدنامی من

غیر نشگفت خورد گر غم ناکامی من

آنچه فرداست هم امروز در آمد گویی — آفتاب از جهت قبله بر آمد گویی

دل و دستیکه مرا بود فرو ماند ز کار — شب و روز یکه مرا بود سر آمد گویی

سرگذشتم همه رنج و الم آرد گفتی — سرنوشتم همه خوف و خطر آمد گویی

بهرهٔ اهل جهان چون ز جهان درد و غم است — بهرهٔ من ز جهان بیشتر آمد گویی

خستن و بستن من چه بسی نیست برو — بر من اینها ز قضا و قدر آمد گویی

هنرم را نتوان کرد به خستن ضایع — خستگی غازهٔ روی هنر آمد گویی

غم دل داشتم اینک غم جانم دادند — زخم را زخم دگر بر اثر آمد گویی

چرخ یکمرد گرانمایه بزندان خواهد — یوسف از نیاز زلیخا بدر آمد گویی

مژه امشب ز کجا اینهمه خوناب آورد — این چنین گرم ز زخم جگر آمد گویی

خواجه هست درین شهر که از پرسش وی پایهٔ خویشتنم در نظر آمد گویی

مصطفیٰ خاں که درین واقعه غمخوار من است

گر بمیرم چه غم از مرگ عزادار من است

خواجه دانم که بسی روز نمانم در بند لیک دانی که شب از روز ندانم در بند

نه پسندم که کس آید نتوانم که روم جانب در به چه حسرت نگرانم در بند

خسته ام خسته من و دعوی تمکین حاشا بند سخت ست تپیدن نتوانم در بند

شادم از بند که از بند معاش آزادم از کف شحنه رسد جامه و نانم در بند

آمده خامه بیارید و سجل بنویسید خواب از بخت همی وام ستانم در بند

یارب این گوهر معنی که فشانم ز کجاست بند بر دل بود و نیست زبانم در بند

هر کس از بند گران نالد و ناکس که منم نالم از خویش که بر خویش گرانم در بند

خوی خوش بهر مصیبت زده رنج دگر است رنجه از دیدن رنج دگرانم در بند

رفته در بارهٔ من حکم که یا دره و دریغ شش مه از عمر گرامی گذرانم در بند

ما گر این است خود آنست که عید اضحیٰ گذرد نیز چو عید رمضانم در بند

مدت قید اگر در نظرم نیست چرا خون دل از مژه بر صفحه چکانم در بند

نیستم طفل که در بند رهائی باشم

هم ز ذوق ست که در سلسله خائی باشم

من نہ آنم کہ ازیں سلسلہ ننگم نبود — چکنم چوں بقضا زہرہ جنگم نبود

زیں دو رنگ آمدہ صد رنگ جزائی نظہور — گلہ نیست کہ از بخت دو رنگم نبود

راز دانا غم رسوائی جاوید بلاست — بہر آزار غم از قید فرنگم نبود

لرزہ از خوف دریں حجرہ کہ از خشت و گل است — ورنہ در دل خطر از کام نہنگم نبود

منم آئینہ و ایں حادثہ زنگ ست و لے — تاب بدنامی آلایش زنگم نبود

ہمدماں دارد م امید رہائی در بند — دامن از بعد رہائی تہ سنگم نبود

جور اعدا رود از دل برہائی لیکن — طعن احباب کم از زخم خدنگم نبود

بہ تسکاف قلم از سینہ بروں می ریزم — بسکہ گنجائی غم در دل تنگم نبود

حاش للہ کہ دریں سلسلہ باشم خوشنود — چکنم چوں سر ایں رشتہ بچنگم نبود

بصریر قلم خویش بود مستی من
اندریں بند گراں بیں و سبکدستی من

ہمدماں - درد لم از دیدہ نہانید ہمہ — غالب غمزدہ را روح و روانید ہمہ

للہ الحمد کہ در عیش و نشاطید ہمہ — للہ الشکر کہ با شوکت و شانید ہمہ

ہم در آئین نظر سحر طرازید ہمہ — ہم در اقلیم سخن شاہ نشانید ہمہ

چشم بد دور که فرخنده لقائید همه — شاد باشید که فرخ گهرانید همه

سود ببینید - وفا دیده و نورید همه — زنده مانید - جفا قالب و جانید همه

من بجوں خفته و بینم همه بینید همه — من جگر خسته و دانم همه دانید همه

درمیاں ضابطهٔ مهر و وفائی بود ست — من بریئم - که هر آئینه برآئید همه

روزے از مهر نگفتید فلانی چون است — بارے از لطف بگوئید چسانید همه

گر نباشم بجهاں خار ره خسے کم گیرید — اے که سرو و سمنِ باغ جهانید همه

چاره گر نتواں کرد دعا کافی ست — دل اگر نیست خداوندِ زبانید همه

هفت بند است که در بند رقم ساخته ام — بنویسید و ببینید و بخوانید همه

آں نباشم که بهر بزم زمن یاد آرید
دارم امید که در بزم سخن یاد آرید

اِستدعا

میرا مضمون ختم ہو گیا۔ میں چاہتا تھا کہ یہ زیادہ مکمل
صورت میں پیش ہوتا۔ معتقدینِ غالب سے عموماً اور
معاصرین غالب سے (بشرطیکہ زندہ ہوں) خصوصاً
میری استدعا ہے کہ اس موضوع کے متعلق اگر اُن کو مزید
معلومات ہوں تو براہِ کرم آگاہی بخشیں تاکہ بحوالہ نام نامی
کبھی آیندہ اس تالیف میں اندراج کیا جا سکے۔

محسن بن شبیر